ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

نومبر 2024ء - جمادی الاوّل 1446ھ

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ
فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

شمارہ 11 | نومبر 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ

سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

600 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	4
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	5
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	10
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد خان	14
5	عقیدۂ ختمِ نبوت اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری	18
6	فکرِ اقبال	علامہ ڈاکٹر محمد اقبال	22
7	روحانی ترقی کے بنیادی اصول	علامہ محمد ارشد	23
8	زندگی قرآن کے ساتھ	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	26
9	حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم	ڈاکٹر منظور حسین اختر	28
10	حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید	آصف بلال آصف	30
11	حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ	ماسٹر احسان الٰہی	32
12	مولانا حامد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ	ملک محبوب الرسول قادری	36
13	مکتوبات مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ	سید کامران بخاری	38

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

من کی ہے طلب اور یہی حرفِ دعا ہے
لہجوں کی تڑپ اور یہ جذبوں کی صدا ہے

جبریلِ محبت کوئی اترے کبھی اس پر
مدت سے تمنائی مرے دل کا حرا ہے

وہ واحد و یکتا ہے احد بھی ہے صمد بھی
یہ عقدہ فقط تیری گواہی سے کھلا ہے

امیّ ہے مگر واقفِ اسرارِ دو عالم
تُو نے جو پڑھا عالمِ کل سے ہی پڑھا ہے

صد شکر چمک ہے یہ عقیدے کی جبیں پر
قرآن ہے رہبر تو امام آلِ عبا ہے

طالب ہے جو رفعت کا عروج اور علو کا
یعنی ترے قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہا ہے

کرتی ہے معزز تری چوکھٹ کی رسائی
صاحب تو وہی ہے جو ترے در سے جڑا ہے

عصیاں کی خزاں میں بھی کھلے نعت کے غنچے
رحمت ہے فقط اور کرم تیری عطا ہے

یہ بھی ہے فقط معجزۂ شانِ پیمبر
اک مفتیِ بے مایہ اگر محوِ ثنا ہے

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ عمل

آنکھیں کور بین اور آئینہ فکر کتنا ہی گدلا کیوں نہ ہو جائے سچائیاں سچائیاں ہی رہتی ہیں اور صداقتیں صداقتیں ہی۔۔۔۔فکر و نظر کے پیمانے ٹوٹ جانے سے حقائق نہیں بدلا کرتے۔ یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ہمارے ماحول میں کوئی بھی شے اپنے اصلی روپ میں دکھائی نہیں دیتی لیکن پھر بھی سچ اور حق کی آواز کسی نہ کسی جہت سے سسکیاں لیتی برآمد ہو ہی جاتی ہے۔

آج قومی زبوں حالی اور ملی شکستہ سامانی کا سوال کسی بھی شخص کے سامنے کیوں نہ رکھ دیا جائے، برابر ہے وہ گڈریا ہو یا وکیل، اُمّی ہو یا عالم، فاضل ہو یا شیخ، پوری یکسانیت اور ہم آہنگی کے ساتھ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہمارے ماحول میں تہی دامنی ہے۔ زندگی کے اس نورِ حقیقی کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے جبینِ انسانیت اطمینان و سرور کی رونقوں سے محروم ہے۔ حیات و زیست کے رینگتے قافلے جادۂ حق سے بھٹک رہے ہیں۔ سستی و کسلان اور بے کاری و تن آسانی کی مسموم فضاؤں میں عروج و ارتقاء کا دم گھٹ رہا ہے۔ قوم کا ہر شخص اگر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ محنت اور عمل کے بغیر سفینۂ حیات کسی بھی صورت میں ساحل آشنا نہیں ہوسکتا تو بتائیے گا عمل کرے گا کون؟ انسانی کائنات میں حوروں اور فرشتوں کے عمل سے تو انقلاب بپا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ انسانی تسخیری طیاروں کے کپتان جنات ہوں۔ انسان کا کام بہر طور انسان ہی کو کرنا ہوگا۔ سرسوں کے بیج سے دودھ نہیں نکلا کرتا اور بکری کے تھنوں سے عرق گلاب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ عمل اور محنت کی جو ذمہ داریاں پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کے کندھوں پر ڈالی ہیں، اسے ہی نبھانا ہوں گی۔

یہ بات کتنا عجوبہ بلکہ اضحوکہ ہے کہ نماز کے وقت سونے والا سو کر کہتا ہے، عمل کرنا چاہیے۔ سود خور تاجر سود کھا کر کہتا ہے، عمل کرنا چاہیے۔ دودھ میں پانی ملانے والا خیانت کر کے کہتا ہے، عمل کرنا چاہیے، راشی رشوت کا دھندا اپنا کر یہ راگ الاپتا ہے کہ عمل کرنا چاہیے۔ آخر عمل کس چیز کا نام ہے۔ اس کی کوئی تعریف بھی تو ہوگی۔ یہ تو ہوا عوام کا حال، رہے بزرگ، علماء، دانشور اور صحافی تو ان کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں کہ گرم دمِ گفتگو نرم دمِ جستجو۔

انگریزوں کی مسلسل غلامی، ہندوؤں کی متواتر صحبت اور مادیت کے تابڑتوڑ حملوں، سرمایہ داریت کی مہلک یلغار اور اندازِ فکر کی حقارت آمیز بے لگامی نے دیگر اسلامی اصطلاحوں کی طرح سعی و عمل کے معنیٰ و مفہوم کو یکسر بدل دیا ہے۔ اب تو جدید معاشیات اور منصوبہ بندیاں انسان کو یہ سکھا رہی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی وہ کون سی راہیں ہیں جن پر چل کر ایک

شخص نکما بھی رہ سکتا ہو اور مادہ گر بھی بن سکتا ہو۔

حضور ﷺ کی اُمت کو اب یہ کون بتائے، سمجھائے کہ:

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (النجم:۳۹)

''انسان کے لیے نہیں ہے بجز اس کے کہ جو اُس نے کوشش کی''۔

یا پھر حضور ﷺ کی یہ حدیث کہ:

الکاسب حبیب اللّٰہ

''محنتی اللہ کا دوست ہوتا ہے''۔

جس قوم کے دانشور اور علماء اپنے ہاتھ میں سودا سلف کا تھیلا اٹھانا کسرِ شان تصور کریں۔ امراء کاروں اور موٹروں کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے اپنی معیت میں خدام وحشم رکھیں۔ شاہ اور بادشاہ جلوس کے بغیر چلنا محال سمجھیں۔ وزراء کی فلاحی تدابیر ائیر کنڈیشنڈ کمروں کے سوا نہ ہو سکیں۔ انتظامیہ اور عدلیہ کے معزز ارکان قومی مسائل حل کرنے کی بجائے ہوائی اڈوں پر آنے جانے والوں کو خوش آمدید کہنے میں مصروف رہیں۔ دکان دار، تاجر اور گاہک بازاروں میں جوابازوں کی طرح ایک دوسرے پر داؤ لگا رہے ہوں۔ مزدور کارخانوں میں محنت مشقت کی بجائے پیشاب گاہوں، چائے خانوں اور دیگر مخفی مقامات پر آ جا کر وقت گزار رہے ہوں، شعراء دنیا و مافیہا سے بے نیاز تلواروں اور نیزوں کا شوق الفاظ و کلمات سے پورا کر رہے ہوں، طلباء کے ہاتھ میں کتاب، قرطاس اور قلم کی بجائے سگریٹ کی ڈبیاں یا پھر ہاکی اور بلے نظر آئیں۔ جوان شمشیر وسناں کو چھوڑ کر گلے میں زنجیریاں، ہونٹوں پر سرخی، منہ پر پاؤڈر اور رخساروں پر کریم مل کر رزمیہ اور جہادی نغموں کی بجائے حسن و عشق کے گیت گائیں، عورتیں لیلیٰ اور مرد مجنوں ہونے کی فکر میں ہوں تو اسلامی انقلاب کس سمت اور جہت سے آئے گا۔ یہاں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص نے دس دس خواب آور گولیاں کھائی ہوئی ہیں اور ابھی وہ کسی اہم مقصد کی خاطر بسترِ کسلان سے اٹھنا پسند نہیں کرتا۔

وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو بتوں کی غلامی سے چھڑایا، لات ومنات کے سر کچلے، فرعونیت و نمرودیت بھرے نظاموں کا خاتمہ کیا، بھوکے اور فاقہ زدہ انسانوں کو معاشی خوشحالی بخشی، عورت کو آبرومند اور مرد کو باوقار کیا۔ رنگ و نسل، قوم و قبیلہ کی فرضی اور عارضی حد بندیاں ختم کر کے مساوات کا درس دیا اور اسی طرح تسخیر کائنات کے عملی نمونے پیش کیے، ایسے نہیں تھے کہ جیسے ہم عمل کے چور اور سستی کے ڈھیر ہیں۔

ان کا امیر دیکھو قبا پر پیوند لگائے ہوئے ہے اور بڑھاپے کی عمر میں محنت مزدوری کر کے کھاتا ہے اور انسانیت کی خدمت فی سبیل اللہ کرتا ہے۔ ان کا سپاہی دیکھو کہ شوقِ شہادت میں ساری زندگی صحراؤں اور پہاڑوں پر بسر کر دیتا ہے۔ ان کا زاہد دیکھو رات تو مصلیٰ پر دکھائی دیتا ہے۔ دن کو بدر و حنین کے معرکے گرم کرتا ہے۔ ان کا عالم دیکھو جسم سے خون نکل رہا ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کی تلاوت چھوٹ نہیں پاتی۔ ان کا جوان دیکھو کہ زبان پر قرآن ہے اور ایڑیاں اونچی کر کر کے اپنے مقتل کی جستجو میں ہے۔ ان کی عورت دیکھو کہ احیائے حق کے لیے زخمی ہونے والے مجاہدوں کو پانی پلا رہی ہے۔ ان کے معاشرے کا ہر فرد پکار رہا ہے، کہہ رہا ہے:

اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ (الانعام:۱۶۲)

''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات اور میری ممات سب اللہ کے لیے ہے''۔

میری قوم کے دردمند اور حساس نوجوانو!

خوشحالی اور ترقی، خیر اور بھلائی، خوشی اور مسرت، اطمینان اور سرور، امن اور سلامتی، عروج اور ارتقاء کے لیے اسلام اور ایمان کی محض اصطلاحیں کفایت نہیں کرتیں۔ چند دن سڑکوں پر نعرے لگا دینے سے انقلاب نہیں آ سکتا۔ تنظیموں کے بت کھڑے کر کے ان کی پوجا کرنے سے مسئلے حل نہیں ہو سکتے۔ اس عظیم مقصد اور نور بداماں مشن کی تکمیل ایک مسلسل اور مربوط عمل ہی سے ممکن ہے۔ گویا آج ہماری اصل ضرورت ایسا عمل ہے جو صلح اور صالحیت کی بنیادوں پر ہو اور یاد رہے کہ یہ عمل ہی ہوتا ہے جسے دیکھ کر ربّ قدوس کسی قوم کے باقی رکھنے یا اسے فنا کرنے کا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔

وَ لِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف:۱۹)

''اور ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے مطابق درجے ہیں''۔

علم سیکھنے سے عالم بنتا ہے، بیج بونے سے فصل اُگتی ہے۔ لباس پہننے سے گرمی، سردی سے بچا جا سکتا ہے۔ قدموں کو حرکت دینے سے چلنے اور آنکھ کھولنے سے دیکھنے کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ گویا یہ کائنات کے سارے ہنگامے خواہ شمس وقمر کے حوالے سے ہوں یا ارض وسما کی نسبت سے، کسی نہ کسی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو مسلمان آخرت میں نجات وفلاح اور دنیا میں غلبہ و اقتدار ایسے اہم مقاصد کسی عمل ہی سے حاصل کر سکتے ہیں اور وہ عمل حضور ﷺ کا پورا نظام اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ پورا قبول کرنا ہے اور اس کا منہج کارِ جہاد فی سبیل اللہ، سعی اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے اور اسی راہ پر اخلاق و کردار، معاملہ وسیاست، عبادات ومعیشت اور زندگی کے تمام شعبوں کی مشکل گتھیاں سلجھ سکتی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ (الرعد:۲۹)

''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ان کے لیے خوشیوں کے پیغام ہیں اور اچھا انجام''۔

اب رہی یہ بات کہ اسلام میں کس نوعیت کا عمل محمود ہے اور کون سا عمل تقدیر بدل اور انقلاب آفرین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے جس وقت ہم عمل کی بات کرتے ہیں تو جنتروں منتروں کا ایسا عمل جس سے آسیب دور کیے جائیں، مراد نہیں لیتے اور نہ کسی چوراہے میں کسی مداری کے سامنے پڑے ہوئے معمول پر کیا گیا عمل مراد ہوتا ہے۔ یوں تو دنیا کے فسادات بھی اعمال ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہمارا دین جس عمل پر زور دیتا ہے وہ صرف عمل ہی نہیں بلکہ وہ عمل صالح واحسن ہے۔

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (النور:۳۸)

''تاکہ اللہ انہیں جزائے حسن دے جو انھوں نے عمل کیے''۔

جہاں تک عمل صالح کی مزید تشریح کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسا قبضہ نہیں جو ذہن میں سما نہ سکے۔ قرآن حکیم نے ہر عبادت، ہر حکم اور ہر فرمان کے ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ کا جو حکم دیا تو یہ بذاتِ خود اس معاملہ کا قطعی حل ہے کہ عمل صالح وہی ہے جو حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کے عین مطابق ہو۔

گویا ہمیں اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے اپنا ماضی ضرور دیکھنا ہوگا اور بدعات اور خرافات کی راہوں سے بچ کر مصطفیٰ ﷺ کے کردار وعمل سے اکتساب فیض کرنا ہوگا۔ مطلب اس کا یہ ہوا کہ دعوتوں، تحریکوں، تنظیموں، نظریات اور افکار کے پریشان کن ہجوم میں صالح جدوجہد، جس کے احسن نتائج متوقع ہوں، کرنے کے لیے خوب سے خوب تر دیکھنا ہوگا اور اس بات کا خیال

رکھنا ہوگا کہ فکر ونظر کے کس زاویہ پر سنتِ رسول ﷺ کا نور زیادہ ہے اور تھم تھم کر سوچنا ہوگا کہ حُبِّ مصطفیٰ ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کے پاکیزہ جذبات واحساسات کہاں کہاں اور کس قدر ہیں۔ بصورتِ دیگر علم ہوگا تو روحانیت نہیں ہوگی۔ روحانیت ہوگی تو سیاستِ اعلیٰ مفقود ہوجائے گی۔ سیاست نظر آئے گی تو زہد وعبادت کا نام ونشان نہ ہوگا۔ زہد ہوگا تو معاشی تگ ودو نہ ہوگی۔ کسب معاش ہوگا تو حرارت ایمان عنقا ہوگی۔ ایمان ملے گا تو تسلیم ورضا کی خو مادیت کی نظر ہوجائے گی۔ الغرض بھرپور نتائج اور اہدافِ حیات کی تحصیل کے لیے ایسی سعی وعمل درکار ہے جو حضور ﷺ کی سنتوں کے مطابق ہو۔

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل یا رسول اللہ، من ابی

قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی (مشکوٰۃ شریف)

''میری ساری اُمت جنت میں داخل ہوگی سوائے انکار کرنے والوں کے، پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ انکار کرنے والے کون ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی وہ میرا انکار کرنے والا ہے''۔

سعی وعمل کے لیے ہمارے ہاں ترجیحات طے کرنے کا مسئلہ بھی بڑا عجیب ہے۔ ایک جرنیل ہوتا ہے تو وہ شوقِ سیاست پورا کررہا ہوتا ہے۔ ایک اچھا سیاست دان ہوتا ہے تو وہ مدرسی کررہا ہوتا ہے۔ ایک اچھا مدرس ہوتا ہے تو وہ ہل جوتنے کا مشغلہ اپنالیتا ہے۔ نفلوں کے وقت تلوار اٹھالی جاتی ہے اور جہاد کے وقت پانچ بیبیوں کی کہانی پڑھ پڑھ کر تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔ مذاکروں کے وقت تلاوت اور تلاوت کے وقت مذاکرے کیے جاتے ہیں جب کہ ضروری یہ ہے کہ کارگاہِ حیات میں سعی وعمل کے لیے اپنی اپنی صلاحیتوں کو غور وفکر سے پہچانا جائے اور اس طرح ایک مؤثر جہاد کا آغاز کیا جائے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ چاند کی جگہ سورج لے لے اور سورج کی جگہ چاند آجائے تو فساد خارج از امکان نہیں رہتا۔

لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ

سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یسین: ۴۰)

''نہیں سورج کی یہ پہنچ کہ پکڑے چاند کو اور نہ ایسے کہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے''۔

ایسی سعی وعمل جو غور وفکر، صلاحیتوں کے عرفان، منزل سے کامل آگہی اور حضور ﷺ کی کامل اطاعت واتباع میں ہو، اس بات کی ضمانت مہیا کرتی ہے کہ خدا کے اس ازلی فیصلہ میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں۔

فرعون غرق ہونے کے لیے ہوتے ہیں اور موسیٰ سرخروئی کے لیے

نمرود ذلت کے لیے ہوتے ہیں اور ابراہیم فائز المرام ہونے کے لیے

منکرین توحید کی تخسیف ہوتی ہے اور نوح ساحل آشنا ہوتے ہیں

شاتمین رسالت کی شکلیں بگڑتی ہیں اور پیروکارانِ رسالت نور بداماں ہوتے ہیں

یزیدیت مٹتی ہے اور حسینیت حیاتِ طیبہ حاصل کرتی ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب: ٦٢)

''اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے''۔

میرے رسول ﷺ کی غلامی کا دم بھرنے والو!

کارگاہِ حیات میں ہر سُو پھیلے ہوئے فتنے، لٹتی انسانیت کی چیخیں، نارِ جہالت کے بھڑکتے شعلے، حاملین شرک کی ظلم سامانیاں اور گلستانِ خیر کی درماندہ حالی کیا تمہیں کچھ کر گزرنے پر نہیں اکساتی؟۔۔۔۔۔اٹھو کہ محشر بپا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔جاگو کہ کاروانِ خیر لُٹ رہا ہے۔۔۔۔۔بڑھو کہ روشنیاں مدھم پڑ رہی ہیں۔۔۔۔۔نکلو کہ سائے ڈھل رہے ہیں۔۔۔۔۔اے مردِ مومن! تقاضائے قرآن سوچ، محنت کر، سعی کر، عمل کر، جہاد کر، مشقت اٹھا۔۔۔۔۔زندہ رہنے کا یہی دستور ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (النحل:۹۷)

”جس نے اچھا عمل کیا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوا تو
ہم اُسے پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور ہم ضرور دیں گے
ان کا اجر ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اے میرے شوق کے خالق اور میری آرزوؤں کی آماجگاہ!
اپنے راستے میں محنت کا سلیقہ اور شہادت کی سعادت عطا فرما!
آمین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 33 تا 36 سپرد پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ
الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى
النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ
اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ
اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ
خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ
اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ
شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾

''اور ہم نے سب کے لیے وارث بنا دیے ہیں اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور وہ لوگ جن سے تمہارے پیمان بندھ چکے ہیں انہیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز کو کھلا دیکھنے والا ہے۔ مردوں کو عورتوں پر پاسبان ٹھہرایا گیا ہے اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال سے خرچ کیا پس صالح عورتیں ادب بجا لانے والی ہوتی ہیں، پردہ میں رہ کر بھی اللہ کی دی گئی حفاظت کی برکت سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے والی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں اچھی طرح سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ چھوڑ دو اور انہیں (حسب ضرورت) مارو سو اگر وہ تمہاری اطاعت میں آ جائیں تو کوئی اور راہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ بے حد علم والا سب سے بڑا ہے اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے مقرر کر لو اگر وہ دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا، بے شک اللہ بہت جاننے والا عظیم آگاہی رکھنے والا ہے اور عبادت کرو اللہ کی اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک رہو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسیوں اور دور کے ہمسائیوں اور ساتھ رہنے والوں اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہوئے ہو سب سے بھلائی برتو، بے شک اللہ کسی بھی مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

''اور ہم نے سب کے لیے وارث بنا دیے ہیں اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور وہ لوگ جن سے تمہارے پیمان بندھ چکے ہیں انہیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز کو کھلا دیکھنے والا ہے''۔

آیت کی تفسیر میں چار چیزیں زیر غور لائی جا سکتی ہیں:

پہلی : موالی کی بحث

دوسری : ترکہ اور میراث کا حکم

تیسری : معاہدوں کی حیثیت اور آیت کا حکم

چوتھی : شہید ہونے کا مفہوم

ترتیب سے چاروں کی تفصیل رقم کی جاتی ہے:

''مَوَالِیَ'' کی بحث

''مَوَالِیَ، مولیٰ'' کی جمع ہے اس میں معانی کی مشارکت لفظ کی شہامت پر دلالت کرتی ہے (109)۔

پہلا معنیٰ

''مولیٰ'' کا معنیٰ مُعتِق ہوتا ہے۔ غلامی سے آزادی کی طرف لا کر نعمت سے نوازتا ہے۔ یہ ایک قسم کا مولائے نعمت ہوتا ہے۔

دوسرا معنیٰ

آزاد کردہ غلام کو بھی ''مولیٰ'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ آزاد کر کے اسے نعمتوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

تیسرا معنیٰ

حلیف، حلف میں شریک شخص کو بھی ''مولیٰ'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ معاہدہ سے وہ شخص ''ولی الامر'' ہو جاتا ہے۔

چوتھا معنیٰ

چچا کے بیٹے کو بھی ''مولا'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ قرابت داری اس کو ولایت کی رسی پکڑا دیتی ہے۔

پانچواں معنیٰ

''مولیٰ'' ولی کے معنیٰ میں ہوتو مفہوم ہوتا ہے دوست اور مددگار۔

چھٹا معنیٰ

''مَوَالِیَ'' عصبات کو کہہ دیتے ہیں، وہ رشتہ دار جو میراث اور ترکہ پانے والے ہوں۔ آیت میں مفسرین نے لکھا کہ ''مولیٰ'' کا معنیٰ عصبہ ہی لیا گیا ہے۔

ساتواں معنیٰ

ایسی دوستی جو اختیار اور قدرت قائم کردے، بے تکلف دوستی میں بندہ مدد بھی کرے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس کا میں مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولی ہیں''۔

آٹھواں معنیٰ

''مولیٰ'' بمعنیٰ والی بھی ہے، اقتدار رکھنے والا مالک، مولیٰ ہوتا ہے۔

نواں معنیٰ

''ولی'' ہی سے مولیٰ ہے۔ اس کا معنیٰ قریب ہونا اور قرب رکھنا ہوتا ہے۔ قرابت داری ہی کی وجہ سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔

دوسری بحث

یہاں بحث کو دوبارہ ترکہ اور میراث کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم نے مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں۔ جو کچھ والدین اور نزدیکی رشتہ دار چھوڑ جائیں تو وہ کچھ خاص رہنمائی میں ان میں تقسیم ہوگا۔ مفسر کے فہم کے مطابق یہ جملہ ان احکام کا خلاصہ ہے جو گزشتہ آیتوں میں اقرباٗ اور نزدیکیوں کے بارے میں بیان ہوئے۔

تیسری بحث

آیت کی تیسری بحث ان لوگوں کا حصہ بیان کرنا ہے جن سے عہد و پیمان باندھا گیا ہو، کہا جارہا ہے کہ ان کا حصہ بھی دے دو۔ آیت میں پیمان کو عقدِ یمین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اصطلاح کا لغوی معنیٰ دائیں ہاتھ سے گرہ باندھنا ہوتا ہے۔ پیمان باندھنا بھی ایک قسم کی گرہ باندھنا ہوتا ہے ''عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' وہ گرہ جو تمہارے ہاتھ باندھ دے پیمان ہی کے لیے خوبصورت مجاز ہوگا۔ تفسیر کبیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب عام طور پر معاہدے کرتے تو ہاتھ میں ہاتھ لے کر عقد باندھتے، یہ ایک قسم کا عقد پختہ کرنے کا عزم ہوتا۔

''یمین'' کا معنیٰ قسم بھی ہوتا ہے۔ مفہوم آیت یہ ہوگا کہ وہ معاہدہ جو تم قسموں سے پختہ کر لیتے ہو۔ آیت کے اس حصہ کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ مفسرین کی دو آرائیں: بعض اسے منسوخ تصور کرتے ہیں اور بعض آیت کے حکم کو محکم جانتے ہیں یعنی منسوخ نہیں سمجھتے (110)۔

اس سلسلہ میں خوبصورت بحث تفسیر بیضاوی اور مظہری کی ہے:

''امام بیضاوی فرماتے ہیں: جو عقد موالات کا موالی باندھ لیں تو عقد کے مطابق ان کی ادائیگی ہونی چاہیے''۔

مولیٰ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک مولیٰ اسفل ہوتا ہے اور ایک مولیٰ اعلیٰ ہوتا ہے۔ اسفل وہ غلام ہوتا ہے جسے آزاد کردیا جائے اور آزاد کرنے والے کو مولیٰ اعلیٰ کہتے ہیں (111)۔

شیخ زادہ وغیرہ نے دوسرا مطلب یہ لیا کہ زوج اور زوجہ کے درمیان جو عقد نکاح باندھا جاتا ہے، اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بن گئے ہیں، اس لیے قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کے حقوق میراث ادا کرو۔ ترتیب میں بات یوں ہوگی کہ والدین اور اقرباء کے ساتھ زوج اور زوجہ کی میراث بھی تاکیداً بیان کردی گئی۔

آیت کا حکم منسوخ سمجھنے والوں نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے کہ عرب جب قسم اٹھا کر ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے کہ ہم تمہاری امداد کریں گے اس وقت ورثاء کی موجودگی میں بھی حلیف چھٹے حصہ کا ترکہ میں حقدار سمجھا جاتا۔ قائلین نسخ نے لکھا کہ ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ'' والی آیت نے اسے منسوخ کردیا (112)۔

ابن کثیر اور صابونی وغیرہ نے اسے وصیت کے حکم میں قائم رکھنے کا عندیہ دیا ہے (113)۔

طبری وغیرہ نے بھی اسے مواساۃ کی نصیحت ہی سمجھی ہے۔ اسے وراثت کے قانون کے ساتھ نہیں جوڑا (114)۔

چوتھی بحث

قرآن مجید میں جب بھی اللہ کی صفات بیان کرتے ہوئے لفظ ''كَانَ'' استعمال ہوتو یہ ''كَانَ'' دائمہ کہلاتا ہے۔ اس میں انقطاع نہیں ہوتا اور ''شَهِيْدًا'' کبھی شاہد کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی مشاہد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

۞ پہلی صورت میں ''شَهِيْدًا'' گواہ کے معنوں میں استعمال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت تمام لوگوں کے اعمال کا گواہ ہوگا۔

۞ دوسری صورت میں مشاہدہ کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس لیے وہ اعمال میں سے جزئیات اور کلیات سب کا جاننے والا ہے۔

رازی لکھتے ہیں کہ ایک صورت کے مطابق عالم ہونے کا معنیٰ اور دوسری صورت میں مخبر ہونے کا مفہوم اُجاگر ہوتا ہے (114-A)۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

''مردوں کو عورتوں پر پاسبان ٹھہرایا گیا ہے اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال سے خرچ کیا پس صالح عورتیں ادب بجالانے والی ہوتی ہیں، پردہ میں رہ کر بھی اللہ کی دی گئی حفاظت کی برکت سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے والی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہوتو انہیں اچھی طرح سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ چھوڑ دو اور انہیں (حسب ضرورت) مارو سو اگر وہ تمہاری اطاعت میں آجائیں تو کوئی اور راہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ بے حد علم والا سب سے بڑا ہے''۔

گھریلو نظام کے حقیقی پاسبان

اسلام ایک ایسا نظام ہے جس میں انسانی معاشرت کو اہمیت دی گئی ہے اور معاشرت کے حسین بنانے کے لیے ٹھوس ضوابط دیے ہیں۔ اسلام یہ یقین رکھتا ہے کہ فرد اور معاشرے میں گھر کو بنیادی فضیلت حاصل ہے اس لیے بغیر کسی تکلف کے قرآن نے اس آیت میں اعلان کردیا ہے کہ گھریلو نظام کی پاسبانی کے لیے مرد قوّام ہے، پاسبان ہے اور نگہبان ہے۔ مرد اور عورت میں رئیس کی حیثیت ایک ہی کی ہوسکتی

ہے البتہ دوسرے کی مدد اور تعاون کے بغیر گھریلو نظام مستحکم نہیں ہوسکتا۔ مرد کو یہ اہمیت اور ذمہ داری اس کی چند خصوصیات کی بنا پر دی گئی ہے۔ مرد کے لیے آسان ہوتا ہے کہ وہ ''قوت فکر'' اور قوت تنظیم کو جذبات پر ترجیح دے لیتا ہے جبکہ عورت خواہشات اور جذبات کے ہجوم میں گھری ہوتی ہے۔ منصوبہ بندی میں فکری محاسن کا حامل قائد کامیابیوں سے ہم کنار رہتا ہے۔ ہاں بعض اوقات بعض عورتیں مردوں پر تفوق رکھتی ہیں لیکن استثنائی خصوصیات کی وجہ سے قانون سازی نہیں کی جاسکتی ہے۔

شان نزول

حضرت حسن بصری ﷫ فرماتے ہیں (115) ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ اپنے خاوند سے بدلہ لینا چاہتی تھی اس لیے کہ اس کے خاوند نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے بھی قصاص جاری کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا لیکن اللہ نے یہ آیت نازل کر کے قصاص جاری کرنے سے منع کردیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا ارادہ میرے ارادے پر غالب آ گیا''۔ کلبی کہتے ہیں کہ خاوند کا نام سعد بن ربیع تھا اور ان کی زوجہ حبیبہ بنت زید بنت زبیر تھیں۔ ایک دوسری روایت میں کہا گیا کہ زوجہ محمد بن مسلمہ کی بیٹی تھیں۔ ممکن ہے سعد کی دو بیویاں ہوں اس لیے شان نزول کی روایات میں کوئی اضطراب نہیں۔

مردوں کے قوّام ہونے کی دو وجوہات

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے قوّام ہونے کی جو دو وجوہات نقل کیں ان میں پہلی یہ ہے کہ مردوں کو جو اعزازات معاشرہ دیتا ہے وہ گھر میں بھی تسلیم شدہ ہونے چاہییں:

1۔ گواہی میں فضیلت
2۔ وجوب جہاد، علمی اور جسمی حیثیت
3۔ وجوب جمعہ
4۔ وجوب جماعت
5۔ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ
6۔ مردوں کو بیک وقت چار نکاح کرنے کی اجازت
7۔ امور نبھانے میں فطری صلاحیت
8۔ علوم و معارف کا روحانی امین ہونا
9۔ کل وقتی امامت کوئی عارضہ لاحق نہ ہونا

افراد خانہ کی مالی ضرورتیں بھی عام طور پر مرد ہی پوری کرتے ہیں اس لیے گھریلو نظام کی چابیاں مرد کو سونپی جاتی ہیں۔

اچھی عورتوں کی خصوصیات

قرآن مجید نے خاندان میں ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لحاظ سے عورتوں کی جو خصوصیات نقل کی ہیں ان میں پہلی خاصیت عورت کا صالحہ ہونا ہے۔ صالحہ سمندر کی طرح گہری اصطلاح ہے جو دینی لحاظ سے حسن عقیدہ اور حسنِ عمل پر دلالت کرتی ہے۔ صالحہ خاتون ہی گھر کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا احساس تیز ہوتا ہے کہ گھر کو تباہ کرنے والی کون سی چیزیں ہوتی ہیں۔ اچھی عورت اس احساس سے بھی محروم نہیں ہوتی کہ مرد سے ٹکرا جانا تباہی لاتا ہے اور اس کی اطاعت میں رہنا گھریلو معاشرہ کو آراستہ کرتا ہے۔ عورتوں کو صالحہ کہنے میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ مرد جنگ پر بھی آمادہ رہتا ہو تو بھی عورت کو صلح پر ہی خود کو تربیت دینی چاہیے۔ مرد کو قوّام کہنا اور عورت کو صالحہ کہنا بڑی حکمتیں رکھتا ہے۔ ایک میں نشوونما کا احساس آراستہ کرنے کا مفہوم اور پاسبانی کا معنیٰ اور جوڑے کے دوسرے فریق میں صلح اور صلاحیت اچھے خاندان کو عروج دینے والی حکمتیں ہیں۔ عورت کی دوسری صفت ''قانتہ'' ہونا ہے۔ اس میں عبادت گزاری کا مفہوم اور اطاعت کا معنیٰ بھی موجود ہے اور منکسر المزاج ہونا اور عاجزی کا پایا جانا بھی موجود ہے اور اچھی عورت کی تیسری صفت قرآن مجید نے لکھی کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں عزت اور ناموس کے حوالے سے اور مالی معاملات میں خیانتوں سے بچنے والی ہوتی ہے۔

تصویر پلٹ دی

قرآن مجید کی اس آیت نے تصویر پلٹ دی۔ پہلے بتایا کہ اچھی خواتین کون سی ہوتی ہیں؟ اب نافرمان عورتوں کے ساتھ رویوں میں تعمیر کو سمو دیا۔ اصل سمجھانا ان عورتوں کو ہے جو اپنے فرائض سے روگردانی کرتی ہیں اور سرکشی اور عداوت پر آ اترتی ہیں یا جنسی یا مالی خیانت پر اتر آتی ہیں ''نُشُوْزَ'' زمین کا وہ حصہ ہوتا ہے جو نامناسب ابھرا ہوا ہو۔ آیت میں مردوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ بگڑی ہوئی عورت کو بھی حکیمانہ مراحل سے گزارو ممکن ہے اس میں تعمیر اور صلح کی نرمی پھوٹ پڑے۔ ایسی عورتوں کے لیے پہلا مرحلہ وعظ و نصیحت کا ہے۔ مشفقانہ نصیحتیں حالات بدل دیتی ہیں۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انہیں بستروں میں تنہا کردو، لاپرواہی اور بے رخی شاید انہیں حقیقت کی طرف لوٹا دے۔ اگر اس کے باوجود سرکشی اور فرائض سے عدول انہیں سوقیت میں جا جکڑے تو عملی شدت اور مناسب سزا سے ضرور گزارو، گھر کو تباہی سے بچانے کے لیے یہ ناگوار یت بھی صلح کا تعویز بن سکتا ہے تو نفسیاتی مرحلہ کی کڑوی دوا ضرور استعمال کر لی جائے لیکن اطاعت کا راستہ اختیار کرنے والیوں پر کوئی اور راہ استعمال نہ کی جائے۔ آیت کے آخر میں مردوں کو سمجھایا گیا کہ وہ خاندان کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔ اللہ کی قدرت بہت بلند ہے اور وہ بہت بڑا ہے، اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

ایک حدیث ''یہ اچھے لوگ نہیں''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (116):

''اللہ کی بندیوں کو نہ مارو''

اس پر حضرت عمر حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عورتیں مردوں پر جری ہوگئی ہیں تو حضور ﷺ نے ہلکی مار کی اجازت دی، پھر عورتیں آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور خاوندوں کی مار اور شدت کی شکایت کی

اس پر آقا ﷺ نے فرمایا:

''میرے خاندان کی عورتیں حاضر ہوئیں اور خاوندوں کی مار کی شکایت کی

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایسے لوگ اچھے نہیں''۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝۳۵

''اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے مقرر کرلو اگر وہ دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کردے گا، بے شک اللہ بہت جاننے والا عظیم آگاہی رکھنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت خاندانی معاشرت کو مضبوط کرنے کے لیے مصالحتی عدالت

کے قیام کی تحریص دلاتی ہے۔کہا یہ جا رہا ہے کہ اگر تم محسوس کرو کہ میاں بیوی کے درمیان تنازع جنم لے رہا ہے تو معاشرتی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ناچاقی کی وجوہات معلوم کر کے موافقت کا راستہ تلاش کیا جائے۔اس عظیم اور فضیلت مآب منزل کے حصول کے لیے دورکنی مصالحتی عدالت قائم کی جائے ایک نمائندہ خاوند کے خاندان سے لیا جائے اور دوسرا عورت کے خاندان سے چنا جائے۔اگر ''حکمین'' نیک نیتی سے کام کریں گے تو اللہ مدد فرمادے گا۔

مفسرین کی یہ رائے ایک حقیقت پر مبنی ہے کہ خاندان کا ماحول احساس اور محبت کا مرکز ہوتا ہے۔عام جرائم کی عدالتوں میں پہنچ کر اس اساس کو مضبوط نہیں کمزور کیا جا سکتا ہے اس لیے کوشش کی جائے کہ خاندانوں کی سطح پر ہی ہمدردی کے جذبہ سے مسئلہ کا حل تلاش کر لیا جائے۔رازوں کے کھل جانے سے تو انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھے گی، فیصلہ کا قرآنی راستہ کثیر اخراجات اور پریشانیوں سے بچا سکتا ہے۔اس طرح کم وقت میں سنگین مسائل کی ظلمتوں سے نکلا جا سکتا ہے(117)۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۟ (36)

''اور عبادت کرو اللہ کی اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک رہو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسیوں اور دور کے ہمسائیوں اور ساتھ رہنے والوں اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہوئے ہو سب سے بھلائی برتو، بے شک اللہ کسی بھی مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

اس آیۂ کریمہ میں آداب معاشرت کے دس اصول بیان کیے جا رہے ہیں:

❁ پہلا نکتہ

آیت کی پہلی دعوت اللہ کی عبادت ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کی ممانعت ہے۔اسلامی احکام کی جڑ یہی ہے۔اللہ تعالیٰ کی توحید پر مکمل ایمان روح کو پاکیزگی دیتا ہے، ارادوں کو طاقت بخشتا ہے، نیتوں کو نکھارتا ہے اور اعمال کو خلوص کا رنگ دیتا ہے اور عزائم کو نکھارتا ہے۔قرآن مجید کی تربیت مسلمانوں میں عبادت پیدا کرتی ہے اور انسانوں میں اصل کی پہچان کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور یہ بھی کہ شرک پگڈنڈی کی طرح ہے مسلمان اس مشکل میں پڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

❁ دوسرا نکتہ

اللہ کی عبادت کے بعد انسانی حقوق سے شناسا ہونا ہے اور اس باب میں سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کی ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک دین بھی ہے اور انسانیت بھی ہے۔قرآن مجید میں چار مقامات ہیں جہاں توحید کے بعد فوراً ماں باپ کے ساتھ حسن احسان کی بات کی گئی ہے(118)۔

❁ تیسرا نکتہ

قرآن مجید کی یہ آیت ماں باپ کے بعد رشتہ داروں سے نیکی کرنے کا درجہ بیان کرتی ہے۔اسلام میں فیضان کا ابھار دریا کے بہاؤ کی طرح ہوتا ہے۔جہاں سے پانی گزرتا ہے پہلے کو پہلے کی طرح نوازتا ہے زندگی جہاں سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد قریب ترین رشتہ دار ہی ہوتے ہیں۔صلہ رحمی، قرابت شناسی اور رشتوں کا احترام اسلام کی عظمت کے روشن نشان ہیں۔معاشرت کا دریا رشتوں ناطوں کے صحن ہی سے پھوٹتا ہے اس لیے اسلام اسے اہمیت دیتا ہے بلکہ عبادت کے بعد صلہ رحمی پر زور دیتا ہے۔

❁ چوتھا نکتہ

آیت نے مسلمانوں کو چوتھا تربیتی سبق یہ دیا کہ وہ یتیموں کے حقوق کا خیال رکھیں۔معاشرے میں کوئی بھی حادثہ ہو تو اصل میں چوٹ تو یتیم بچوں پر پڑتی ہے۔وہ زندگی کے، اللہ کے بعد سہارے سے محروم ہو جاتے ہیں۔چھوٹا ہونے کی وجہ سے توجہ مانگتے ہیں جبکہ وہ مال اپنا بھی تو خرچ کر نہیں سکتے، ہر لحاظ سے وہ محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قرآن تحریص دلاتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں یتیم نوازی کی نسیم محبت چلتی رہنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں(119):

''یتیموں کے ساتھ نرم سلوک روا رکھنا چاہیے، ان کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے، ان کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرنا چاہیے اور ان کے اموال کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے''۔

❁ پانچواں نکتہ

مساکین کے حقوق ادا کرنے کی رغبت اس آیہ کا پانچواں نکتہ ہے۔ایک صحت مند معاشرہ وہی ہوتا ہے جس میں مساکین، لاچار اور ضرورت مند لوگوں کی نگہداشت کا مکمل اور مضبوط نظام موجود ہو۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(120):

''بیوہ اور مسکین کے لیے کوشاں شخص اور ان کی معاونت میں منہمک رہنے والا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہتا ہے۔ایسا شخص رات کو بغیر سستی کے قیام کرنے والے اور بغیر ناغہ کے روزہ رکھنے والے کی طرح ہوتا رہتا ہے''۔

❁ چھٹا نکتہ

اس کے بعد نزدیک کے پڑوسیوں کے حقوق بیان کیے گئے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک برتا جائے۔نزدیک کے پڑوسی کون ہوتے ہیں؟ اس کے لیے مفسرین کے کثیر اقوال ملتے ہیں: پہلی رائے یہ کہ ایسے پڑوسی جو رشتہ دار ہوں۔دوسری رائے یہ کہ مکان اور رہائش کے وقوع کے لحاظ سے ہمسایہ اس سے مراد ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظریاتی قرب کے حاملین اسی زمرے میں آتے ہیں۔

❁ ساتواں نکتہ

ساتویں قسم ان پڑوسیوں کی ہے جو اجنبی ہوں، لفظی دلالت سے یہی سمجھ آتی ہے۔تفسیر خازن میں معزز مفسر نے لکھا ہے'' اَلْجَارِ الْجُنُبِ'' سے مراد وہ اجنبی لوگ ہیں جو رشتہ دار نہ ہوں(121)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(122):

''ایسا شخص ایماندار نہیں''

عرض کی گئی کون شخص یا رسول اللہ ﷺ!

فرمایا:

''ایسا شخص جس کا ہمسایہ اس سے تکلیف میں ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا(123):

''جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ پڑوسی کے ساتھ اچھا پیش آئے''۔

بقیہ: صفحہ نمبر 17 پر

کتابت وخطاطی کا شہنشاہِ اعظم

حافظ سخی احمد خان

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: لَمَّا اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ، حَتَّى قَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يُقِيمَ بِهَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَتَبُوا الكِتَابَ، كَتَبُوا: هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، قَالُوا: لاَ نُقِرُّ لَكَ بِهَذَا، لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا مَنَعْنَاكَ شَيْئًا، وَلَكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ »أَنَا رَسُولُ اللَّهِ، وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ«، ثُمَّ قَالَ: لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: »امْحُ رَسُولَ اللَّهِ«، قَالَ عَلِيٌّ: لاَ وَاللَّهِ لاَ أَمْحُوكَ أَبَدًا، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الكِتَابَ، وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ، فَكَتَبَ: هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، لاَ يُدْخِلُ مَكَّةَ السِّلاَحَ إِلَّا السَّيْفَ فِي القِرَابِ، وَأَنْ لاَ يَخْرُجَ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتْبَعَهُ، وَأَنْ لاَ يَمْنَعَ مِنْ أَصْحَابِهِ أَحَدًا، إِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا. فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الأَجَلُ أَتَوْا عَلِيًّا، فَقَالُوا: قُلْ لِصَاحِبِكَ: اخْرُجْ عَنَّا، فَقَدْ مَضَى الأَجَلُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ، تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ، فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا، وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ: دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا، فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ، قَالَ عَلِيٌّ: أَنَا أَخَذْتُهَا، وَهِيَ بِنْتُ عَمِّي، وَقَالَ جَعْفَرٌ: ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي، وَقَالَ زَيْدٌ: ابْنَةُ أَخِي. فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ: »الخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ« وَقَالَ لِعَلِيٍّ: »أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ« وَقَالَ لِجَعْفَرٍ: »أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي«، وَقَالَ لِزَيْدٍ: »أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلاَنَا«، وَقَالَ عَلِيٌّ: أَلاَ تَتَزَوَّجُ بِنْتَ حَمْزَةَ؟ قَالَ: »إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ«

(صحیح اور بخاری 4251)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذیعقد میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ سے ان شرائط پر صلح کرلی کہ آپ آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں قیام فرمائیں گے۔ جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا گیا: یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔ مشرکین نے کہا: ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اگر ہمیں یقین ہو کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو ہم آپ کو منع نہ کرتے لیکن آپ تو محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کا لفظ مٹادو''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں تو کبھی آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے از خود وہ صلح نامہ لیا اور لکھا جبکہ آپ عموماً تحریر تو نہ فرماتے تھے: ''یہ وہ دستاویز ہے جس کے مطابق محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گے مگر وہ اپنے نیام میں ہوں گے اور اگر اہل مکہ میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوگا تو آپ اسے مکہ سے باہر نہیں لے جاسکیں گے اور اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے گا تو آپ اسے نہیں روکیں گے''۔ آئندہ سال جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مدت گزرنے والی تھی تو مشرکین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنے ساتھی سے کہو کہ آپ ہمارے پاس سے چلے جائیں کیونکہ مدت معاہدہ گزر چکی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے جانے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دختر چچا چچا کہہ کر پیچھا کرنے لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا، اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اسے اٹھا لو یہ تمہاری چچازاد ہے۔ اسے اپنے ساتھ سوار کرلو، پھر اس لڑکی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھگڑا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھائی کی دختر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ''خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے'' اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں'' نیز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم صورت اور سیرت میں میری مانند ہو'' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی''۔

رسول اللہ ﷺ کی اکملیت وجامعیت

''کنزا مخفیا'' نے اپنی معرفت کے لیے نورِ محمدی ﷺ کو تخلیق فرمایا اور اپنے خفیہ خزانے سے ساری خوبیاں، سارے کمالات، سارے کا سارا حُسن اور تمام کا تمام جمال اپنے محبوب ﷺ کو عطاء فرمایا: ''کنزا مخفیا'' کے بے مثل و بے مثال جواہرات سے محبوبِ ازلی کو ایسے سجایا گیا، ایسے سنوارا گیا تا کہ کسی کو بھی اُس کنزِ مخفی وحدہ لاشریک لہ کی ذاتِ احدیت وصمدیت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ ربِّ لم یزل نے اپنے سوہنے محبوب کی ذات میں کائنات کی تمام عمدہ صفات کو اس طرح جمع فرمایا کہ ہر

خوبی کو کمال اور عروج مل گیا پھر اسی حسن و جمال اور خوبی و کمال کی خیرات جہاں میں اس طرح تقسیم فرمائی کہ حُسن و خوبی کائنات میں جدھر جدھر نظر آیا، جس جس میں جتنا جتنا نظر آیا وہ سب دہلیز مصطفیٰ ﷺ ہی کا صدقہ قرار پایا۔ انبیاء کرام علیہ السلام کو جو معجزات و کمالات اور خوبیاں عطاء کی گئیں وہ سب ذاتِ رسول اور اسوۂ رسول ﷺ میں آکر اپنی معراج کو پہنچ گئیں۔ مفسرین کرام نے تو یہ بات بھی لکھی کہ اللہ رب العالمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو لکھنا سکھایا اور حضرت ادریس علیہ السلام دُنیا میں اس فن کے موجد ٹھہرے۔

حسنِ یوسف ، دمِ عیسیٰ ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند ، تو تنہا داری

اسلامی تاریخ میں فنِ کتابت وخطاطی کی اہمیت

فن خطاطی فنونِ لطیفہ میں سب سے حسین و دلفریب فن ہے۔ فن مصوری اس کے آگے سرنگوں ہے اس لیے کہ قلم نے پہلے اپنا سر قلم اور سرنگوں کر کے بادشاہ جلالت پناہ میں سجدہ ریز ہوا تھا، اسی سبب قلم کاری میں فنکاری اور فنکاری میں ندرت کاری ہے۔ جو بھی تاریخ مرتب ہوتی ہے، جو بھی کہانی کہی جاتی ہے، جو بھی تحریک ابھرتی ہے اور جس جس علم کی سرگذشت رقم کی جاتی ہے، فن تحریر کی زبانی اور خط کی ترجمانی سے ہی کہی جاتی ہے۔

خط فنونِ لطیفہ کی جان، علوم کی شان، احساسات وجذبات کا وجدان اور قوت متخیلہ کا نگہبان ہے۔ خط رات کی سیاہی کا اجالا ہے۔ عقل و دانش کا حسین مصور ہے۔ خیالات وحسیات کا مظہر، فہم و فراست کا علمبردار، نطق و گویائی کا تزئین کار اور علم و ادب کا جادو بیاں اداکار ہے۔ قلم کی ایک ایک کشش اور نوک و پلک سے انقلابات کروٹیں لیتے ہیں۔ تحریکیں جنم لیتی ہیں، قومیں بنتی ہیں تقدیریں سنورتی اور نکھرتی ہیں۔ جس جس روش سے قلم چلتا ہے اس اس روش سے پھول کھلتے ہیں۔ جس جس میدان سے گزرتا ہے سوتے پھوٹتے ہیں، چشمے ابلتے ہیں، جس شان سے چلتا ہے اسی شان سے نغمے نکلتے ہیں، ترنم ریزیاں بکھرتی ہیں۔ غلافِ کعبہ ہو کہ محراب ومنبر ہوں، مساجد ومقابر، آستان درویشاں ہوں کہ محلات شاہی، طاق ومحراب ہوں کہ طاق ابروئے محبوب، تحریر اور فن تحریر کی جلوہ نمائیاں تاحد نظر دامنِ دل کو کھینچتی ہیں۔

روحِ اسلام کا یہ پوری طرح ہے عکاس
فنِ خطاطی اسی واسطے ہے اثباتی

حُسنِ جاناں ﷺ پر حُسن پابندی

ہمارا یقین و ایمان ہے کہ اللہ ربُّ العالمین نے اپنے محبوب ﷺ کو ہر خوبی اور کمال سے بدرجۂ کمال نوازا۔ اسی لیے ایک اور فرمانِ مصطفیٰ ﷺ میں ہے کہ خلاق کائنات نے سب سے پہلے اپنے نور سے لوح و قلم پیدا کیے جو تکوین و تدوین کا آلہ کار ہیں۔ جس معلمِ انسانیت پر پہلی وحی ہی "الذی علم بالقلم" نازل ہوئی ہو۔ وہ ایسا شہرِ علم کہ ہر علم اُسی دہلیز کا محتاج دکھائی دے اور حکمت کا ایسا گھر جہاں سے جہاں بھر کو حکمت ملی ہو، پھر قرآن نے "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" کا سہرا بھی انہی کی جبینِ ناز پر سجا دیا ہو۔ آقا کریم ﷺ کی سیرت پاک کا یہ وہ باب ہے جس پر اس لیے زیادہ نہ سوچا جاسکا کہ حفاظت وحی کی خاطر آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر نہ فرماتے تھے۔ اسی لیے سورۃ العنکبوت کی آیت 48 "وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ" پر سیدی مفسرِ قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب نے ترجمہ یوں فرمایا: اور اس سے پہلے تو آپ کتاب سے کچھ بھی تلاوت نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی آپ نے اپنے دستِ راست سے کوئی خط تک کھینچا تھا۔

اگرچہ مفسرین ومحدثین وعلماء وفقہاء کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل ہے کہ اس پابندی کا تعلق نزول وحی سے پہلے تک ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جیسے بے پڑھے سب علوم عطا فرمائے اسی طرح اللہ ربُّ العالمین نے اپنے پاک محبوب ﷺ کو بغیر سیکھے علم کتابت بھی عطا فرمایا۔ اس تاریخی حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود کہ اس نظریہ کے حاملین علماء پر زندیق و بے دین ہونے کے فتوے دیے گئے۔ ہمارا یقین، ایمان، عقیدہ اور نظریہ بھی بہرحال یہی ہے مگر ایک لمحہ کے لیے اس بحث میں مبتلا نہ بھی ہوا جائے تو کم از کم اس بات سے انکار کی جراءت تو ممکن نہیں کہ محسنِ انسانیت اور معلمِ کائنات ﷺ نے اپنی حکمت سے کتابت وخطاطی کو اسلامی تعلیمات کا حصّہ بنایا۔ اس مقصد کے لیے کاتبین کی جماعت تیار فرمائی جن کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی لہٰذا دورِ رسول پاک ﷺ ہی سے مسلمانوں میں فنِ کتابت وخطاطی کا شوق بڑھتا چلا گیا۔ خطاطی قرآنی آیات سے منسلک ہو کر پروان چڑھی اس لیے عوام الناس سے لیکر حکمرانِ زمانہ بھی اس کے قدرداں رہے۔

کاتبین کی تربیتِ خاص

فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی قاضی عیاض علیہ الرحمہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

وَرَدَتْ آثَارٌ تَدُلُّ عَلَى مَعْرِفَةِ حُرُوفِ الْخَطِّ وَحُسْنِ تَصْوِيرِهَا كَقَوْلِهِ لِكَاتِبِهِ ضَعِ الْقَلَمَ عَلَى أُذُنِكَ فَإِنَّهُ أَذْكَرُ لَكَ

"ایسے آثار وشواہد موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حروف کی خطاطی اور حروف کے تصویری حُسن پر کمال رکھتے تھے جیسے آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اپنا قلم اپنے کان کے اُوپر رکھ لیا کرو تا کہ یہ تمہاری یاد دہانی کا باعث ہو"۔

علامہ قرطبی بھی قاضی عیاض علیہ الرحمہ ہی حوالہ دیتے ہوئے اس دلیل کو رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمانِ مُبارک سے اور مؤکد کرتے ہیں:

"أَلْقِ الدَّوَاةَ وَحَرِّفِ الْقَلَمَ وَأَقِمِ الْبَاءَ وَفَرِّقِ السِّينَ وَلَا تُعَوِّرِ الْمِيمَ وَحَسِّنِ اللَّهَ وَمُدَّ الرَّحْمَنَ وَجَوِّدِ الرَّحِيمَ"

"دوات اچھی تیار کرو اور قلم خوب تراشو، "با" کو سیدھا لمبا کر کے لکھو، "سین" دندانے دار لکھو اور "میم" کو کانا کر کے نہ لکھو۔ "اللہ" کو خوبصورتی سے لکھو، "رحمٰن" کو مد سے لکھو اور "رحیم" کو عمدگی سے لکھو"۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَمُدَّ بِسْمِ اللهِ

"بِسْمِ اللهِ" میں سین کو لمبا کر کے نہ لکھو۔

شہنشاہ کتابت وخطاطی

وہ ہستی جو تحریکِ اسلام ونزول وحی کے آغاز اور اپنے بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ کے کاتب کے منصب پر فائز رہے اور جنھوں نے منشائے رسالت کی تکمیل میں اس فن کو پروان چڑھایا۔ لاکھ تعصب کے باوجود یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ وہ صرف اور صرف مولا علی رضی اللہ عنہ ہی ذات ہے لہٰذا معاہدۂ حدیبیہ لکھنے کے لیے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا گیا۔ اگرچہ آقا کریم ﷺ نے مکی ومدنی حیاتِ مقدسہ

میں قرآن مجید کی آیات کی کتابت اور دیگر خط و کتابت کے لیے کاتبین مقرر فرمائے ہوئے تھے۔ابن اثیر لکھتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے معاہدوں اور صلح ناموں کے لکھنے کی ذمہ داری علی بن ابی طالب کی تھی''۔

ابن آشوب نے مناقب میں تحریر کیا ہے: حضرت علی علیہ السلام اکثر وحی اور غیر وحی دونوں کی کتابت کرتے تھے۔اس لیے کہ وہ گھر اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے نیز ابن عبد ربہ ''عقد الفريد فصل صناعة الكتابت'' میں بیان کرتے ہیں کتابت کے جاننے والوں میں حضرت مولا علی پاک علیہ السلام تھے اور وہ اپنے شرف وعزت رسول اکرم ﷺ سے قرابت کی بنا پر وحی کی کتابت کرتے تھے۔یہی امر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فن کو عروج پر پہنچایا۔درج ذیل چند حوالے اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:

ایک مرتبہ عبداللہ بن رافع سے فرمایا:

''اے عبد اللہ! اپنی دوات میں صوف ڈال، قلم کے کنارے کو لمبا رکھ، سطروں کے درمیان جگہ چھوڑ، حروف کو اکٹھا رکھ اور برابری کو لازم پکڑ''۔

ابوسلیمہ، ابی الحکیم العبدی اور ابوحلیمہ تینوں سے قرآنی خطاطی کے متعلق ارشاد فرمایا:

''اپنے قلم کو جلی رکھ اور اس طرح قرآن کو پُر رونق بنا جس طرح اللہ نے اسے نورانی بنایا ہے''۔

قرآن مجید کی کتابت وخطاطی

تاریخ طبری میں ہے کہ وحی کی کتابت مولا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور اگر وہ موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت فرماتے تھے۔منبع الحیاۃ کا مؤلف تحریر کرتا ہے کہ جو وحی خلوت اور گھر میں نازل ہوتی تھی اس کو سوائے مولا علی علیہ السلام کے کوئی دوسرا نہ لکھتا تھا اس لیے وہ رسول پاک ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

ہم اس بحث میں نہیں جاتے کہ کاتبانِ وحی کی تعداد کتنی تھی؟

رسول اللہ ﷺ کے لیے خطوط واحکام لکھنے کی خدمت پر کتنے لوگ مامور تھے؟

مگر معاملہ قرآن کی کتابت کا ہو یا پھر احکامات وخطوط لکھنے ہوں یا پھر معاہدوں کی کتابت کا معاملہ درپیش ہو۔۔۔۔

ہر موقع پر جس کا قلم خدمتِ رسول ﷺ میں حاضر رہا ہے اُسے ہی شہنشاہِ کتابت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور وہ تاریخ میں صرف اور صرف مولا علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ اقدس واطہر ہی ہے۔

قرآن مجید کی کتابت وتدوین وتالیف

کتاب المصاحف میں ابن ابی داؤد نے جمع علی بن ابی طالب کے نام سے ایک عنوان باندھا ہے اور اس کے تحت ایک روایت نقل کی ہے۔اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مولا علی علیہ السلام نے یہ قسم کھالی تھی کہ اس وقت تک اپنی چادر نہ اوڑھیں گے جب تک قرآن جمع نہ کر لیں۔اسی مقصد کی خاطر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں بھی تاخیر ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں قرآن کی کتابت وخطاطی وتدوین وتالیف میں مصروف تھا روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فأرسل إليه أبو بكر بعد أيام أكرهت أمارتي يا أبا الحسن؟ قال: لا والله! إلا أني أقسمت أن لا أرتدي برداء إلا لجمعة، فبايعه ثم رجع

جس نے قرآن مجید کی ایک آیت بھی لکھی ہو ہم اُس کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں مگر کیا ادب واحترام سے یہ سوال پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ اُس علی پاک کا مقام کیا ہوگا جو خود فرماتے ہیں جسے خطیب خوارزمی نے نقل کیا ہے:

''رسول اکرم ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کو آپ ﷺ نے مجھے سکھایا اور لکھوایا اور میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور آپ نے اس کی تاویل وتفسیر وناسخ ومنسوخ مجھے بتایا''۔

نیز ابن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد قرآن مجید کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے جمع فرمایا۔ابن کثیر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد کی گواہی بھی یہی ہے کہ سب سے پہلا مصحف جو اسلام میں جمع کیا گیا وہ مصحفِ علی ہے۔اس بات سے یہ اضطراب بھی ختم ہوگیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ترتیب توقیفی پر مصحفِ پاک کو جمع کیا مگر اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ترتیبِ نزولی پر قرآن مجید کو مکمل تحریر فرمایا۔

کاتب وخطاط کا غیرت مند ہونا

روایت پاک میں حضور ﷺ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ مٹانے کا حکم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسے کرنے سے انکار کرنا کئی سوالات محبت وعشق کو جنم دیتا ہے۔طوالت کے خوف سے صرف یہی ایک نتیجہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ کاتب وخطاط کا غیرت مند ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے سلطان وشہنشاہِ خطاطی مانتے ہیں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ جو ولادت کے بعد آنکھیں بھی چہرۂ رسول ﷺ سامنے آنے تک نہ کھولے، جس کی ذوالفقار کی ضرب کو تاریخ بُھلا نہیں سکی، آج اُسی علی رضی اللہ عنہ نے ادب میں قلم چھوڑا اور قیامت تک آنے والے خطاطین کو یہ بات سمجھائی کہ خط اُسی خطاط کا چمکتا ہے جس میں اخلاص وادب کے ساتھ غیرت وجرات بھی ہو۔ایک مشہور خطاط کا یہ جملہ اسی بات کا آئینہ دار ہے کہ دُنیا بھر کے خطاطین کا روحانی رشتہ مولا علی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

خطِ کوفی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خط کوفی میں تحریر فرماتے اور یہی خط اُس وقت عرب میں رائج بھی تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطِ کوفی میں جو اصطلاحات فرمائیں انہی کی بنیاد پر انہیں خط کوفی کا بانی بھی کہا گیا:

مرتضیٰ اصل خط کوفی را   کرد پیدا و داد نشو و نما

اپنی سادہ روش کی وجہ سے خطِ کوفی لوگوں میں مقبول رہا۔وقت کے ساتھ ساتھ اس کی کئی اقسام بھی وجود میں آئیں جن میں کوفی مائل، کوفی معقد، کوفی مورّق، کوفی معشّق، کوفی مشجّر، کوفی مربّع، کوفی مدوّر اور کوفی فاطمی وغیرہ معروف ہیں یعنی اسلامی خطاطی کی بنیاد خطِ کوفی ہے جو مولا علی رضی اللہ عنہ پاک کا خط ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں ابن مقلہ بیضاوی نے خط کوفی سے مزید چھ خطوط کا استخراج کیا جو یہ ہیں:

۱۔ثلث   ۲۔نسخ   ۳۔توقیع

۴۔رقاع   ۵۔محقق   ۶۔ریحان

اور پھر اس عظیم خطاط کے ہاتھ حکمرانوں کی خواہشات کی تکمیل نہ کرنے کی پاداش میں کاٹ دیے جاتے ہیں۔

دستِ خطاط قلم ہونے پہ روتا ہوں ظفر
کتنے ظالم ہیں جنہیں ظلم روا لگتا ہے

دلچسپ تاریخی حقیقت تو یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کو اسی خطِ کوفی میں لکھا گیا مگر پھر دلبرانِ اقتدار کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ خطِ کوفی کی پہچان تو حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہے اور شاید اس لیے بھی کہ آپ نے دارالخلافت کو کوفہ منتقل فرمایا تھا۔ شاید اس لیے مصحف کے لیے خطِ عثمانی کی اصطلاح رائج ہوگئی۔ ہمیں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدماتِ قرآن کا اعتراف اور بھرپور اعتراف ہے مگر" عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ "کی سند صرف اور صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دلبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی عطاء فرمائی ہے۔

پہلی پانچ آیات کے نزول سے لے کر آخری آیت کے نزول تک کاتبِ وحی کا اعزاز پانے والا
معاہدوں اور صلح ناموں کو تحریر کرنے تک غیرت مند کاتب
قلم تراشنے سے لے کر حروف کی زلفیں سنوارنے تک فن کی نزاکتیں نکھارنے والا
حروف برابر رکھنے سے لے کر سطروں کے فاصلے ترتیب دینے تک کی تربیت دینے والا
الفاظ کی ہیئت وشکل سے لے کر تحریر کی روح وجاں کے اسرار ورموز سے آگاہی رکھنے والا
مدینۃ العلم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہکارِ تربیت بابِ مدینۃ العلم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی شہنشاہِ کتابت وخطاطی ہو سکتے ہیں۔

عبث ہے کارِ سخن حرف حرف بے مطلب
اگر سلام علی رضی اللہ عنہ کو بہ شدّ و مدّ نہ کرے
فقیر کا ہے تعلق عجب سخی سے کہ جو
کسی سوال کے آئین مسترد نہ کرے

بقیہ: تبصرہ وتذکرہ

آٹھواں نکتہ

اس باب میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی بھی طرح کی رفاقت رکھتے ہیں۔

علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں:

''جو تمہارا مصاحب ہو وہ تمہاری کروٹ کا ساتھی ہے، وہ رفیق سفر بھی ہوسکتا ہے اور تمہارا صاحب عمل بھی ہوسکتا ہے۔ علم حاصل کرتے ہوئے تمہارا ہم نشین اور مسجد میں آپ کے ساتھ کثرت سے نشست رکھنے والا ہو، ہر وہ آدمی جو آپ کی صحبت میں شریک ہو وہ استحقاق رکھتا ہے کہ تم اس پر احسان کرو۔ قرآن حکیم یہی تربیت دیتا ہے۔ رازی نے بھی لکھا کہ کروٹ کا ساتھ ہونے سے مراد زوجہ بھی ہوسکتی ہے(124)''۔ واللہ اعلم

نواں نکتہ

آیت کے اس سبق میں مہمانوں اور مسافروں کے حقوق بیان کیے جارہے ہیں۔ وہ لوگ جو راہ گیر ہوتے ہیں وہ بھی اس حکم میں شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(125):

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ پڑوسی کو ایذا نہ دے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو اچھی وگرنہ چپ رہے''۔

دسواں نکتہ

آخری مرحلے میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا سبق دیا گیا۔ آیت خدا کے حق سے شروع ہوتی ہے اور غلاموں کے حقوق پر ختم ہوتی ہے۔

آیت کا آخری جملہ یہ ہے کہ اللہ "مختال" اور "فخور" قسم کے لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ "مختال" کا معنی تکبر کرنے والا ہوتا ہے یعنی ایسا شخص جو اپنے آپ کو بڑا جانے اور کسی کے حقوق کا لحاظ نہ رکھے۔ زجاج نے کہا "اختیال" کا معنی یہ ہوتا ہے قرابت دار اگر غریب ہوں تو یہ ان پر بات بات پر ناک چڑھائے اور انہیں شفقت سے محروم رکھے اور یوں ہی ہمسائے اگر کمزور ہوں تو یہ ان سے اچھا پیش نہ آئے اور "فخو" کا معنی تطاول ہوتا ہے، گردن کو لمبا رکھنا یعنی ایسا شخص جو اپنی ہی تعریف میں لگا رہے اور اپنے کمالات سننے کے لیے دوسروں کو استعمال کرے(126)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ''فخور'' وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ نے نعمتیں عطا کی ہوں لیکن وہ اللہ کا شکر ادا نہ کرتا ہو اور شر پسندیوں میں غرق رہے۔ تاج وغیرہ نے یہ بھی لکھا کہ ''مختال'' خیال سے نکلا ہے، وہ شخص جس کے اندر کوئی خیال اُسے بڑا سمجھنے پر اکسائے۔ گھوڑے کو ''خیل'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوڑتا ہے تو قدم خاص متکبرانہ ادا سے رکھتا ہے۔ ''مختال'' بھی وجود کو اترا کر مروڑتا سمیٹتا ہے، اس لیے اسے ''مختال'' کہہ دیتے ہیں(127)۔ واللہ اعلم

حوالہ جات

(109) انوارالتنزیل: بیضاوی، ایضاً شیخ زادہ ایضاً قونوی
(110) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(111) تفسیر بیضاوی: بیضاوی
(112) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ
(113) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی
(114) جامع البیان: ابن جریر
(114) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(115) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی
(116) مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء
(117) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(118) القرآن سورۃ البقرہ 83، سورۃ الانعام 151، سورۃ اسریٰ 23، سورۃ النساء 36
(119) تفسیر کبیر: فخر رازی (120) حقوق الیتمیٰ: فواد تہامی
(121) تفسیر خازن: علی الخازن
(122) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(123) تفسیر المنار: رشید رضا ایضاً نمونہ
(124) تفسیر کبیر: فخرالدین رازی
(125) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(126) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی
(127) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً راغب

عقیدۂ ختم نبوت اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

عقیدۂ ختم نبوت اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ

جب یہ بات طے ہے کہ قرآنِ حکیم نے عقیدہ ختمِ نبوت کو بڑی وضاحت وصراحت سے بیان کیا ہے اور یہ بھی کہ حضرتِ اقبال کو قرآن پاک سے حد درجے کا شغف اور حضور ختمیٔ مرتبت صاحب قرآن ﷺ سے انتہا درجے کا عشق تھا اس لیے یہ بات وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ قرآنی عقیدے کا انکار کرنے والے اور حضور خاتم النبیین ﷺ کے قصر نبوت میں نقب لگانے والے کسی جھوٹے مدعی نبوت کے طرفدار ہو سکتے ہیں۔ اسلامی طرز زندگی کی بنیاد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن حکیم ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قراں زیستن (۱)

یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن سے لے کر تادم آخریں تلاوت قرآن کے ذوقِ لازوال سے سرشار رہے اور قرآن حکیم کے اسرار ورموز پر تدبر وتفکر کا ذوق بھی انہیں اپنے والد گرامی شیخ نور محمد مرحوم سے ورثے میں ملا تھا۔ جنہوں نے بچپن ہی میں اقبال کو سمجھا دیا تھا کہ قرآن کو اس طرح پڑھا کرو کہ گویا یہ ابھی تم پر نازل ہو رہا ہے۔ شاید انہوں نے اپنے کلام میں اسی نصیحت کے زیر اثر کہا تھا:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ملے نہ رازی نہ صاحب کشاف (2)

اور پھر ان کی تلاوت قرآن اور تدبر قرآن کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر اُن کی یہ عادت نہ گئی۔ حتیٰ کہ آخری عمر میں جب ان کے گلے نے کام چھوڑ دیا تو وہ روزانہ کسی دوسرے شخص کو بلوا کر اس سے تلاوتِ قرآن سنتے تھے (2) اور اس پر اقبال کے سوانح نگار متفق ہیں کہ اقبال اپنے مطالعہ قرآن کے نوٹس لیتے رہتے تھے اور آخری عمر میں ان کی خواہش اور تمنا تھی کہ وہ جدید پیرائے میں قرآن حکیم کی کوئی تفسیر لکھ سکتے (3) اور یہ بات ان کے اشعار پڑھ کر بھی محسوس کی جاسکتی ہے کہ وہ فکر قرآن کا کس قدر گہرا ادراک رکھتے تھے۔ ان کے سارے کلام میں بجا ایسے اشعار ملتے ہیں جن کے مضامین بلکہ بعض جگہ الفاظ بھی قرآن حکیم سے مستعار لیے گئے ہیں۔

اگر عقیدۂ ختمِ نبوت کے حوالے سے بھی کلام اقبال کا جائزہ لیا جائے تو کئی ایک اشعار ان کے عقیدے اور نقطۂ نظر کی صاف وضاحت کرتے ہیں۔

ضرب کلیم میں ہندی مسلمان کے عنوان سے ایک نظم ہے:

غدارِ وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر
پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومنِ پارینہ ہے کافر (2)

دوسرے شعر کی تشریح میں مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''اس شعر میں اشارہ اس عقیدے کی طرف ہے جو قادیانیوں سے منسوب ہے کہ جو شخص مرزا غلام احمد کو نبی نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا'' (3)۔

جہاد کے عنوان سے ایک نظم کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جنابِ شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر (4)

غلام رسول مہر نے ان کی شرح میں لکھا:

''شیخ نے فتویٰ دے دیا ہے کہ اب قلم کا زمانہ آ گیا اور دنیا میں تلوار کام کی چیز نہیں رہی لہٰذا اسے چھوڑ دینا چاہیے اور صرف قلم سے کام لے کر اسلام کی خوبیاں بیان کرنی چاہییں۔ اس مضمون کے فتوے یا اعلانات مختلف لوگوں کی طرف سے کیے گئے جن میں قادیانی حضرات بھی تھے اور بعض دوسرے لوگ بھی۔ وہ سب انگریزوں کے طرف دار تھے''۔ بہتر ہوتا اگر مہر صاحب دوسرے لوگوں کی نشاندہی بھی کر دیتے۔ سکھوں کے خلاف جہاد کی بنا پر شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد کو تحریک آزادی کے ہیرو قرار دیا جاتا ہے۔ سید صاحب کی سوانح عمری ''حیاتِ طیبہ'' کے مصنف مرزا حسرت دہلوی نے اسی کتاب میں لکھا:

''حضرت شاہ اسماعیل دہلوی کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔ موضوع تقریر سکھوں کے مظالم ٹھہرے۔ ان سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا۔'' ان سے جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں'' (6)۔

ان جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مجرم مرزا قادیانی کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(1) ''آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔

(اشتہار چندہ منارۃ المسیح ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

(2) آج کی تاریخ تک تیس ہزار کے قریب یا کچھ زیادہ میرے ساتھ جماعت سے جو برٹش انڈیا کے متفرق مقامات میں آباد ہے اور ہر شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے۔ اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں جہاد قطعاً حرام ہے کیونکہ مسیح آ چکا۔ خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے۔ اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ضمیمہ صفحہ 7)

اسی ضمن میں مرزا کے یہ اشعار بھی اس کے منکر جہاد ہونے پر دال ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کے لئے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 7)

یقیناً اسی لیے اقبال نے مرزا اور ہم زاؤں کی گوشمالی کی اور آخر میں سرکار برطانیہ کے ذلہ خواروں سے سوال کیا کہ(10):

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی
ہے شر حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ
بات اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

نظم ہندی اسلام:

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
(ضربِ کلیم)(11)

یعنی قوم صرف افکار و نظریات میں اتحاد و یکسانیت کی بنیاد پر ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ جو قوم فکری انتشار کا شکار ہو جائے وہ اپنا وجود کھو دیتی ہے۔ اور جو الہام قوم کی یکجہتی اور اتحاد کو فنا کرے وہ الہام بھی الہام نہیں بلکہ الحاد ہے۔

امامت

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطیں کا پرستار کرے
(ضربِ کلیم)(12)

یعنی جو مدعی امامت و قیادت مسلمانوں کو بادشاہوں کا پجاری بنائے اس کی امامت قوم کے لیے فائدے کی بجائے فتنہ و آزمائش کا باعث ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی نے پوری کوشش کی کہ مسلمانانِ ہند کو سلطنت برطانیہ کا پرستار بنایا جائے۔ ملاحظہ ہو:

''چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لیے اپنی ہر ایک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ بار بار اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے۔ اس لیے مسلمانانِ ہند پر لازم ہے کہ نہ صرف اتنا ہی کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل بد ارادوں سے رکیں بلکہ اپنی سچی شکرگزاری اور ہمدردی کے نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلا دیں''(13)۔
(اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد سوم صفحہ 193)

نبوت میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث نہ فقیہہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام
(ضربِ کلیم)(14)

اس نظم کے آخری شعر میں بھی مرزا کی منکر جہاد نبوت کا تذکرہ ہے۔ یعنی ایسی خود ساختہ نبوت جو مسلمانوں کے لیے قوت و شوکت کی بجائے بے چارگی و بے بسی کی پیامبر ہو اسے نبوت نہیں بھنگ کی پتی سمجھنا چاہئے کیونکہ بھنگ پی کر انسان بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، اس لیے جو قیادت جھوٹی نبوت کے نام پر مسلمانوں پر مردہ دلی طاری کر رہی ہے وہ نبوت نہیں برگِ حشیش ہے۔

اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے

اس عنوان سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظم 1902ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں پڑھی۔ اس کے نویں بند کا درج ذیل شعر علامہ اقبال کے عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار کرتا ہے(15):

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک
بزم را روشن ز نورِ شمع عرفاں کردہ ای

اقبال بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کرتے ہیں:

''یارسول اللہ ﷺ آپ کے بعد اگر کوئی بدبخت کسی بھی مفہوم میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ شرک فی النبوت کا مرتکب ہوتا ہے۔ جب آپ نے معرفت و عرفان کی شمع روشن کر کے بزمِ جہاں میں روشنیاں اور اجالے بکھیر دیے ہیں تو اب بھلا کسی اور نبی کی گنجائش کہاں رہتی ہے''۔

ضربِ کلیم کی طرح رموز بے خودی میں بھی علامہ اقبال ارکانِ اساسی ملیہ اسلامیہ کے رکن اوّل توحید کے بعد رکن دوم رسالت کی وضاحت کرتے ہیں اور اس میں جہاں ذات رسالت مآب ختم المرسلین ﷺ کی عظمت و محبت کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مرکز ملت قرار دیتے ہیں۔ وہیں پہ اس عقیدے کا بھی اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قومِ مسلم پر اپنی شریعت کا اور ہمارے رسول گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات پر رسالت کا اختتام فرما دیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے(16):

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
و ز رسالت در تن ما جاں دمید
حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
از رسالت دو جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار ما یک است
جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است

''اللہ تعالیٰ نے ہمارا یعنی امت مسلمہ کا پیکر تخلیق فرمایا اور پھر رسالت سے اس بدن میں جان پھونکی ہم تو اس دنیا میں ایسے الفاظ تھے جن کی کوئی آواز نہ تھی اور پھر رسالت نے بے ربط لفظوں کو موزوں مصرع کی لڑی میں پرو دیا۔ رسالت ہی سے اس جہان میں ہمارا وجود ہے اور رسالت ہی سے ہمارا دین اور ہمارا آئین ہے۔ رسالت ہی سے ہم لاکھوں ہونے کے باوجود ایک ہیں اسی کی بدولت ہمارا ایک جزو دوسرے جزو کا جزو لاینفک ہے''۔

ان اشعار میں رسالت محمدیہ کو وحدتِ ملت اسلامیہ کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ مرزائی نبوت نے اس وحدت کو پارہ پارہ کر دیا(17):

آں کہ شانِ اوست یہدی من یُرید
از رسالت حلقہ گرد ما کشید
حلقۂ ملت محیط افزا ستے
مرکز او وادی بطحا ستے
ما ز حکمِ نسبت اُو ملّتیم
اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
از میانِ بحرِ اُو خیزیم ما
مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما

"اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس نے رسالت کی صورت ہمارے گرد دائرہ کھینچ دیا ہے یعنی جو اس دائرے کے اندر آ گیا، ہدایت پا گیا۔ دائرہ ملت جس کا مرکز وادیٔ بطحا ہے ہردم وسعت پذیر ہے۔ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے ایک ملت ہیں اور جہان والوں کے لیے رحمت کا پیغام ہیں۔ ہم رسالت کے سمندر سے اٹھے ہیں اور موج کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے"۔

ان اشعار میں بھی ذاتِ رسول ﷺ ہی کو مرکز ملت قرار دیا گیا ہے(18):

امتش در حرز دیوار حرم
نعرہ زن مانند شیراں دراجم
معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و جگر گرد دنبی
از خدا محبوب تر گرد نبی

"حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت دیوار حرم کی پناہ میں ہے اور اس طرح نعرہ زن ہے جس طرح جنگل میں شیر۔ اگر تو میری بات کی تحقیق کرے اور اگر تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھ سے دیکھے تو نبی اکرم ﷺ قلب و جگر کی قوت بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ محبوب بن جاتے ہیں"۔

ان اشعار میں بھی ذاتِ رسالت مآب ﷺ کو حصارِ امت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رسول رحمت نے اپنی امت کو حرم کے حصار میں بٹھا دیا ہے جس طرح شیر اپنے بچوں کو جنگل میں بحفاظت بٹھا دیتا کہ رسول ﷺ کی ذات بابرکات انسان کے قلب و جان کی قوت بن جاتی ہے اور پھر ایسا مرحلہ آتا ہے کہ ذاتِ نبی ﷺ ذات خدا جل وعلا سے بھی محبوب نظر آنے لگتی ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اقبال جب از خدا محبوب تر گرد نبی کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں تو وہ کسی ایسے شخص کی نبوت کے کس طرح حامی ہو سکتے ہیں جو نہ صرف رسول اکرم ﷺ کے کمالات و صفات میں شرکت کا دعویدار ہو بلکہ ان سے بڑھ جانے کا احمقانہ اعلان بھی کرتا ہو۔

مرزا کی بہت سی لغویات میں سے نمونے کے لیے درج ذیل اشعار پر غور فرمائیں:

احمد آخر زماں من است
آخریں جام ہمیں جام من است

"میرا نام احمد آخر زماں ہے اور میرا جام ہی آخری جام ہے"۔

درثمین (مرزا کا منظوم مجموعہ)(19)

پھر کہتا ہے(20):

انبیا گرچہ بودہ اندبسے
من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
آدم نیز احمد مختار
در برم جامۂ ہمہ ابرار

"میں عرفان و معرفت میں کسی بھی نبی سے کمتر نہیں۔ میں ہی آدم ہوں، میں ہی احمد مختار ہوں، میں نے تمام ابرار کا لباس پہنا ہوا ہے"۔ (نزول المسیح از مرزا قادیانی)

اخبار پیغام صلح میں تو کسی اکمل نامی خبیث قادیانی نے یوں ہرزہ سرائی کی(21):

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

قارئین! اندازہ فرمائیں کیا ایسے جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے تعلّی باز پیروکاروں کی اقبال جیسا عاشق رسول حمایت کر سکتا ہے جس کا عقیدہ ہو(22):

قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی
از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما
کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چوں وحدت شود ملت شود
زندہ ہر کثرت زنبد وحدت است
وحدتِ مسلم ز دین فطرت است

"اقبال مزید فرماتے ہیں کہ رسالت نے ہمیں ہم نوا اور ہم آہنگ کیا ہے۔ رسالت ہی کی برکت سے ہم ایک دوسرے کے ساتھی رفیق اور ہمدرد بنے۔ اسی کی برکت سے ہم سب کا نصب العین ایک ہو گیا۔ جب ایک مدعا، ایک مقصد اور ایک نصب العین والے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک وحدت آ جاتی ہے، یہی وحدت پختہ اور پائیدار ہو جاتی ہے، تو ملت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہر کثرت وحدت کے بندھن ہی کی وجہ سے زندہ ہوتی ہے اور مسلمانوں کی وحدت دین فطرت اسلام کی وجہ سے ہے"۔

دینِ فطرت از نبی آموختیم
در رہ حق مشعلے افروختیم
ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست
ما کہ یکجانیم از احسان اوست
تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود
ہستی ما با ابد ہمدم شود (23)

"دین فطرت ہم نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھا اور پھر راہ خدا میں مشعل روشن کر دی۔ یہ دین فطرت بھی حضور رحمت عالم ﷺ کے بے پایاں سمندر سے نکلا ہوا موتی ہے اور ہم جو یکجان ہوئے ہیں تو یہ بھی حضور ﷺ کا احسان ہے۔ جب تک ہمارے ہاتھ سے وحدت کا یہ رشتہ نہیں چھوٹے گا ہمارا وجود بحیثیت ملت ابدالآباد تک باقی رہے گا"۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بررسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
اُو رُسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری باما گزاشت
دا دما را آخریں جامے کہ داشت

"پس خدا نے اپنی شریعت ہم پر ختم کر دی اور ہمارے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رسالت ختم فرما دی۔ اب بزم جہاں کی رونق ہمارے ہی دم قدم سے رہے گی۔ ہمارے رسول ختم الرسل اور ہم قوموں کے خاتم ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ساقی گری کی خدمت ہمارے سپرد فرما دی ہے۔ اور اہلِ جہاں کو فلاح و ہدایت کا جو آخری جام وہ عطا کرنا چاہتا تھا وہ اس نے ہمیں عطا کر دیا ہے"(24)۔

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است
قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظ سرِّ وحدتِ ملت ازو
حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست
تاابد اسلام را شیرازہ بست
دل ز غیر اللہ مسلماں برکند
نعرہ لا قوم بعدی می زند (25)

"پہلے شعر میں حضرت اقبال حدیث رسول ﷺ سے تلمیح لائے ہیں۔ "لا نبی بعدی" میرے

بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے اقبال کہتے ہیں کہ لا نبی بعدی ہمارے حق میں اللہ کا احسان ہے اور ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اسی سے ہے۔ یہی تصور ملتِ اسلامیہ کے لیے سرمایہ قوت اور وحدتِ ملت کے راز کی حفاظت بھی اسی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (حضور سرکار دو عالم ﷺ کی ختم نبوت کے ذریعے) تا ابد اسلام کی شیرازہ بندی فرما کر (ہر نئے اور پرانے دین کے) دعوائے (سربلندی) کا نقش مٹا دیا۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اور حضور خاتم النبیین ﷺ کا عشق مسلمان کے دل میں سما جاتا ہے تو پھر مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر کامل توکل کر لیتا ہے اور غیر اللہ سے دل اٹھا لیتا ہے اور میرے بعد کوئی قوم نہیں ہے کا نعرہ مستانہ بلند کرتا ہے''۔

قارئین!

اب تک آپ نے حضرت اقبال کی شاعری میں عقیدہ ختم نبوت کے بیان و اظہار سے آگاہی حاصل کی صرف شاعری پر ہی موقوف نہیں انہوں نے نثر میں بھی عقیدۂ ختم نبوت پر دلائل فراہم کیے ہیں اور نثر میں ان کی شہرہ آفاق تصنیف ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' مجموعہ خطبات ہے۔ یہ خطبات انگریزی زبان میں دیے گئے تھے اور ان کا ترجمہ سید نذیر نیازی نے اقبال ہی کے کہنے پر کیا تھا۔ اس میں پانچواں خطبہ ''اسلامی ثقافت کی روح'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں بھی انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت کو فلسفہ و تعقل کی روشنی میں بڑی شد و مد سے ثابت کیا ہے۔

اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمۂ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے آپ کا تعلق دنیائے جدید سے ہے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔ لہٰذا اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طریق ثابت کر دیا جائے گا، استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعورِ ذات کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا، یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا، یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، یا عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں لیکن یہاں غلط فہمی نہ ہو کہ حیات انسانی اب وارداتِ باطن سے، جو باعتبار نوعیت انبیاء کے احوال وواردات سے مختلف نہیں، ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکی ہے۔ قرآنِ مجید نے ''آفاق وانفس'' دونوں کو علم کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اور اس کا ارشاد ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کا ظہور محسوسات و مدرکات میں، خواہ ان کا تعلق خارج کی دنیا سے ہو یا داخل کی، ہر کہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے اس کے ہر پہلو کو قدر و قیمت کا کماحقہٗ اندازہ کریں اور دیکھیں کہ اس سے حصول علم میں کہاں تک مدد مل سکتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تصور خاتمیت سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ زندگی میں اب صرف عقل ہی کا عمل دخل ہے۔ جذبات کے لیے اس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ بات نہ کبھی ہوسکتی ہے نہ ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وارداتِ باطن کی کوئی بھی شکل ہو ہمیں بہرحال حق پہنچتا ہے کہ عقل اور فکر سے کام لیتے ہوئے اس پر آزادی کے ساتھ تنقید کریں، اس لیے کہ اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کا علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے جس سے اس قسم کے دعوؤں کا قلع قمع ہو جاتا ہے''(26)۔

خطبات کے اس طویل اقتباس میں اگر خط کشیدہ الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت اقبال کے ہاں عقیدۂ ختم نبوت نہ صرف اسلام کا اساسی عقیدہ ہے بلکہ عقل وشعور کے اعتبار سے اب کسی نبی کا آنا ناممکن ومحال ہے۔

اقبال چونکہ کسی تازہ نبوت کے امکان ہی کے قائل نہیں اس لئے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کے اس نقطۂ نظر کو بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر بالفرض حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آ جائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنی تصنیف ''تحذیر الناس'' میں بانی دارالعلوم دیوبند نے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ انبیاء اگر امتیوں سے افضل ہوتے ہیں تو علم میں ہی ہوتے ہیں جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس میں امتی ان کے برابر بھی ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات بڑھ بھی جاتے ہیں (27)۔ اسی فکر کو بنیاد بناتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے نبی ہونے سے نبی اکرم ﷺ کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور پھر اس نے یہ بھی جسارت کی کہ اس کو حضور ﷺ پر جزوی فضیلت حاصل ہے۔

حضرت اقبال اس کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں علامہ سید سلیمان ندوی کو ایک خط لکھ کر استفسار کیا کہ کیا کوئی شخص جزوی طور پر رسالت مآب ﷺ سے افضل ہوسکتا ہے؟

''اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب ﷺ پر جزوی فضیلت حاصل ہے اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانہ میں پیدا ہوئے تو کیا ایسا شخص توہینِ رسول کے جرم کا مرتکب ہے؟ بالفاظ دیگر اگر توہینِ رسول جرم قابلِ تعزیر ہے تو عقیدۂ مذکور توہینِ رسول کی حد میں آتا ہے یا نہیں؟''

(مکاتیب اقبال مرتبہ شیخ عطاء اللہ)

علامہ ندوی کا تعلق بھی چونکہ مولانا نانوتوی ہی کے فکری قبیلے سے تھا اس لیے انہوں نے اقبال کو جواب دیا کہ ''حضور ﷺ پر کسی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے اور ایسا کہنا نہ کفر ہے اور نہ توہینِ نبی کا باعث۔ البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے''(29)۔

(سازشوں کا دیباچہ از رائے محمد کمال)

حضرت اقبال نے علامہ ندوی کے نقطۂ نظر کو کبھی تسلیم نہ کیا اسی لیے ''انوارِ اقبال'' کے مصنف بشیر احمد ڈار کے مطابق انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار یوں فرمایا۔

''ختم نبوت کے معنی ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کافر ہے اور واجب القتل۔ مسلیمہ کذاب کو اسی بناء پر قتل

کیا گیا حالانکہ (ابی جعفر محمد بن جریر) طبری لکھتا ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی نبوت کا مصدق تھا اور اس کی اذان میں حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق تھی''(30)۔

حوالہ جات

1۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبال
2۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبال
3۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبال
4۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبال
5۔مطالب کلام اقبال اردو: غلام رسول مہر
6۔حیاتِ طیبہ: مرزا حسرت دہلوی
7۔منارۃ المسیح ضمیمہ خطبہ الہامیہ: مرزا قادیانی
8۔گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ضمیمہ صفحہ 7۔ مرزا قادیانی
9۔ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 39، مرزا قادیانی
10۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبالؒ
11۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبالؒ
12۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبالؒ
13۔تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 193: مرزا قادیانی
14۔ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبالؒ
15۔علامہ محمد اقبالؒ
16۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
17۔علامہ محمد اقبالؒ
18۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
19۔درثمین: مرزا قادیانی
20۔نزول المسیح: مرزا قادیانی
21۔اخبار پیغام صلح: اکمل قادیانی
22۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
23۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
24۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
25۔رموزِ بےخودی: علامہ محمد اقبالؒ
26۔تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ: علامہ محمد اقبال: ترجمہ سید نذیر نیازی
27۔تحذیر الناس: شیخ قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند
28۔مکاتیب اقبال: مرتبہ شیخ عطاء اللہ
29۔سازشوں کا دیباچہ: رائے محمد کمال
30۔انوارِ اقبال: بشیر احمد ڈار

فکرِ اقبال

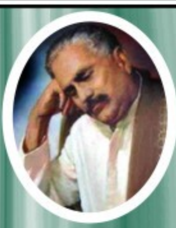

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

کمالِ صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

قلندرانہ ادائیں ، سکندرانہ جلال
یہ امّتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے ، باقی تمام تفسیریں

شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

روحانی ترقی کے بنیادی اصول

علامہ محمد ارشد

روحانی ترقی کے بنیادی اصول وہ اصول ہیں جو انسان کو اندرونی طور پر بہتر بنانے اور خدا، خودی، اور دنیا کے ساتھ ایک گہرے اور پائیدار تعلق کی جانب لے جاتے ہیں۔ روحانیت مردوں اور خواتین کی یکساں ضرورت ہے روحانیت قربِ الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سورۃ احزاب کی آیہ کریمہ نمبر 35 ہماری راہنمائی کرتی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآىٕمِیْنَ وَ الصّٰٓىٕمٰتِ وَ الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ-اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان خواتین اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گذار عورتیں اور صدق والے مرد اور صدق والی خواتین اور با استقامت مرد اور با استقامت عورتیں اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں اور راہ حق میں خرچ کرنے والے مرد اور راہِ حق میں خرچ کرنے والی عورتیں اور روزہ گزار مرد اور روزہ گزار عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی خواتین اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے"۔ (تذکرہ)

اس آیت میں قربِ الٰہی کے دس اصول بیان کیے گئے ہیں:

1: اسلام	2: ایمان
3: عبادت پر مداومت	4: صداقت
5: تواضع اور انکساری	6: صبر
7: انفاق فی سبیل اللہ	8: روزہ
9: عفت و پارسائی	10: ذکر الٰہی

آیت کا شانِ نزول

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ حبشہ سے واپس آئیں تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے مل کر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا عورتوں کے بارے میں بھی کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا: نہیں، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عورتیں تو بڑے نقصان میں ہیں۔ ارشاد فرمایا: کیوں؟ عرض کی، ان کا ذکر (قرآن میں) خیر کے ساتھ ہوتا ہی نہیں جیسا کہ مردوں کا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور اُن کے دس مراتب مردوں کے ساتھ ذکر کیے گئے اور ان کے ساتھ ان کی مدح فرمائی گئی۔ (تفسیر مظہری)

1: اسلام

اسلام کے معنیٰ لغۃً سپرد کرنے کے ہیں، جبکہ اصطلاح میں اپنے آپ کو شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرنے کا نام اسلام ہے۔

ایمان کے مقابلہ میں جب اسلام کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ظاہری اعمال (مثلاً زبان سے شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور دیگر مالی و بدنی عبادات) ہوتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنی تعلیمات لے کر آئے ہیں ان تعلیمات پر عمل کرنا اور ان کے اظہار کرنے کو اسلام کہا جاتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ فرض ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ (صحیح بخاری:50)

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کی تعریف بھی ارشاد فرمائی:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں (صحیح بخاری:10)

یہ حدیث کئی اہم نکات پر مشتمل ہے جو اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کو واضح کرتے ہیں:

1: مسلمان کی تعریف اور پہچان

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کی پہچان اور شناخت بتائی ہے۔ مسلمان وہ شخص ہے جو نہ صرف اپنے عمل سے بلکہ اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کے لیے نقصان کا باعث نہ بنے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کا مطلب محض عبادات کرنا نہیں، بلکہ دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور ان سے حسنِ سلوک بھی ضروری ہے۔

2: زبان کا استعمال

زبان ایک اہم ذریعہ ہے جس سے ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں۔ زبان سے دوسروں کو تکلیف دینا، ان کی غیبت کرنا، بہتان تراشی کرنا یا ان کی دل آزاری کرنا اسلام میں منع ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو ہمیشہ خیر اور بھلائی کے لیے استعمال کرے اور اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔

3: ہاتھ کا استعمال

ہاتھ سے مراد عملی اعمال ہیں۔ اس میں جسمانی نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، چاہے وہ ظلم ہو، مارنا ہو، یا دوسروں کے مال و اسباب کو نقصان پہنچانا ہو۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل میں بھی دوسروں کے لیے رحمت اور خیر کا باعث بنے۔

4: دوسروں کے حقوق کا احترام

اس حدیث کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اسلام میں

انسانوں کے حقوق کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے اوران کے جان، مال، اورعزت کی حفاظت کرے۔

5: معاشرتی ہم آہنگی اورامن

اس حدیث کا مقصد معاشرتی امن اورہم آہنگی کا فروغ ہے۔ اگر ہر مسلمان اس حدیث پر عمل کرے تو معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گا، کیونکہ زبان اور عمل کے ذریعے ایک دوسرے کو تکلیف دینے کی بجائے لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے۔

6: دل کی صفائی اورنیت کی اہمیت

اس حدیث میں جسمانی اورزبانی اعمال کی بات کی گئی ہے، لیکن اس کے پیچھے دل کی نیت کا بھی اہم کردار ہے۔ ایک مسلمان کے دل میں دوسروں کے لیے خیرخواہی اورمحبت کا جذبہ ہونا چاہیے۔ اگر دل صاف ہوگا تو زبان اورہاتھ بھی ویسا ہی رویہ اختیار کریں گے۔

7: ذمہ داری کا احساس

مسلمان کو اپنی زندگی میں ایک ذمہ دار شخص بننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسے اپنی زبان اور عمل دونوں پر کنٹرول رکھنا چاہیے تاکہ وہ کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچائے، اور یہی ایک سچے مسلمان کی پہچان ہے۔

ضروری نکتہ

عمومی طور پر جب ہم ان بنیادی اصولوں کی بات کرتے ہیں تو ہمارا ذہن عام مسلمان مراد لیتا ہے۔ اگر ہم اپنے گھر میں موجود افراد کو بھی شامل کرلیں تو ہماری گھریلو زندگی بھی امن کا گہوارہ بن جائے۔ گھر میں والدین ،بہن بھائی اور بیوی بچے ہوتے ہیں۔ ہم پر ہمارے گھر والوں کے ڈبل حقوق ہیں مسلمان ہونے کے حقوق اور رشتہ دار ہونے کے حقوق۔ رشتہ داری کے حقوق اگر مشکل بھی لگ رہے ہوں تو کم ازکم مسلمان ہونے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے انہیں اپنی زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ دوسروں کو دکھ دینے والا شخص قرب الٰہی نہیں پاسکتا۔

2: ایمان

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق اورتسلیم کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں شریعت محمدی ﷺ کی دل سے تصدیق کرنا اورزبان سے اس کا اقرار کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ (صحیح بخاری:50)

اس حدیث میں ایمان کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایمان ایک وسیع اور گہرائی رکھنے والا عقیدہ ہے۔ یہ صرف ایک جذباتی یا فکری یقین نہیں بلکہ عملی زندگی میں اس کے اثرات بھی نظر آنے چاہئیں۔ ایمان کی تکمیل ان تمام اجزاء پر یقین رکھنے میں ہے۔

دوسرا اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عقیدہ اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔ انسان کے اعمال کا انحصار اس کے عقیدے پر ہے۔ اگر عقیدہ صحیح اور مکمل ہوگا تو اس کے اعمال بھی اللہ کی رضا کے مطابق ہوں گے۔ ایمان کے عقیدہ کے بغیر اللہ کا قرب حاصل کرنا ناممکن ہے۔

3: عبادت پر مداومت

''قانتین اور قانتات'' اُن مرد اور خواتین کو کہا جاتا ہے جو تمام عبادات پر مداومت (ہمیشگی) کرنے والے ہوں۔ ہمارے ہاں اعمال پر مداومت اور مستقل مزاجی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جبکہ اعمال میں مستقل مزاجی ایک ایسا وصف ہے جو ہر عمل کی جان ہے، چاہے وہ دینی عمل ہو یا دنیاوی۔ اگر عمل میں مستقل مزاجی نہ ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کام شروع کیا گیا ہے وہ بغیر سوچے سمجھے کیا گیا۔ شریعتِ الٰہی یہی کچھ ہمیں سکھانا چاہتی ہے کہ ہم ہر عمل کو خوب غوروفکر اوراوقاتِ زندگی کا صحیح تجزیہ کرنے کے بعد شروع کریں تاکہ اس عمل میں ٹھہراؤ پیدا ہو اور دوسرے کاموں میں بھی حرج نہ ہو۔ یہی تدابیر اور منصوبہ بندی مؤمن کا وصف ہونا چاہئے۔ مداومتِ عمل کی تعلیم دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اکلفوا من العمل ما تطیقون، فإن اللہ لا یمل حتی تملوا، وإن احب العمل إلی اللہ ادومه وإن قل، و کان إذا عمل عملا اثبته

"عمل کرتے رہو جتنا تم سے ہو سکے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم (عمل کرنے سے) تھک جاؤ، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے اگرچہ وہ کم ہو، چنانچہ آپ ﷺ جب کوئی کام شروع کرتے تو اس پر جمے رہتے۔ (سنن ابوداود:1368)

مستقل مزاجی سے عاری شخص قرب الٰہی کے نور سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

4: صداقت

اعلانیہ طور پر تبلیغ کا کام شروع کرتے وقت سب سے پہلی چیز جو رسول کریم ﷺ نے کفار مکہ سے منوائی وہ تھی آپ کا صادق اور امین ہونا۔ مؤمن کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کیا مؤمن خائن ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ (الترغیب والترھیب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم جھوٹ سے بچو، اس لیے کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے، اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے، آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے اور سچ بولنے کو لازم کرلو اس لیے کہ سچ بھلائی اور نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے، آدمی سچ بولتا ہے اور سچ بولنے ہی میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے" (سنن ابوداود:4989)

جھوٹا انسان کبھی اللہ کا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔

5: صبر

''صبر'' کے لغوی معنیٰ رکنے، ٹھہرنے یا باز رہنے کے ہیں اور نفس کو اس چیز پر روکنا (یعنی ڈٹ جانا) جس پر رکنے (ڈٹے رہنے کا) کا عقل اور شریعت تقاضا کررہی ہو یا نفس کو اس چیز سے باز رکھنا جس سے رکنے کا عقل اور شریعت تقاضا کررہی ہو صبر کہلاتا ہے۔

ہم عام طور پر صبر کا ایک ہی معنیٰ مراد لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا۔ جبکہ صبر کے تینوں پہلو ہمیشہ مدنظر رہنے چاہیں:

1 مصائب پر صبر
2 عبادت کی مشقت پر ثابت قدمی
3 گناہ نہ کرنے پر نفس پر ضبط

انہی مفاہیم کے پیش نظر قرآن حکیم نے صبر سے مدد حاصل کرنے کی تلقین فرمائی:

یا ایھا الذین أمنوا استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ

"اے ایمان والو! مدد لیا کرو صبر اور نماز سے"۔

صاحب تفسیر تبصرہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے صبر کے حوالہ سے خلفائے راشدین اور بزرگان دین کے جو اقوال رقم فرمائے وہ روحانی ترقی کے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے "اچھی زندگی وہ ہے جو صبر کے ساتھ گزرے اور فرحت بخش حیات وہ ہے جو صبر سے ملے"۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "قرآن مشکلات میں عروۃ الوثقیٰ ہے اور صبر فضیلتوں کا سرچشمہ ہے"۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "یاد رکھو! صبر کا ایمان میں وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا ہوتا ہے، جسم سے سر کٹ جائے تو جسم کی کیا قیمت بچ جاتی ہے"۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کسی نے یہ کہتے ہوئے سنا: "صبر اگر انسانی شکل میں ظاہر ہوتا تو ایک شریف آدمی ہوتا"۔امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرمایا کہ "صبر ہی وہ سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی" حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "صبر خیر کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جو اللہ اپنے بہترین بندوں کو عطا کرتا ہے"۔حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بے صبری نے تاریخ مسخ کر دینی ہوتی ہے جبکہ صبر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے"۔اہل بیت میں سے کسی امام کا قول ہے: "صبر وہ عمل خیر ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنی معیت کی دولت عطا فرماتا ہے"۔ (تفسیر تبصرہ: جلد دوم)

صبر کے بغیر روحانیت کی ترقی ناممکن ہے۔

6: تواضع اور انکساری

خاشعین اور خاشعات سے مراد وہ خواتین و حضرات جو نماز میں اپنی توجہ دائیں بائیں نہیں ہونے دیتے اور دوسرا معنی وہ لوگ جو عاجزی اور انکساری کرنے والے ہیں۔تکبر سے دور رہنے والے۔

تکبر اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو اپنے سے حقیر جاننے کا نام ہے۔تکبر بہت ہی بری چیز ہے اور ایسے شخص کو اللہ رب العزت پسند نہیں فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

"بے شک وہ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا"۔

جس شخص سے اللہ تعالیٰ محبت نہ فرمائے، اس سے بڑا بد بخت کون ہو سکتا ہے۔تکبر کرنے والا دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ذلیل ہوگا۔ابلیس کو تکبر نے ہی ذلیل کیا اور لعنت کا مستحق بنایا۔

7: انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کے عطا کیے ہوئے مال میں سے اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے والے مرد اور خرچ کرنے والی عورتیں اللہ کے قرب کا نور حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔مال خرچ کرنے والا اور مال خرچ نہ کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کیسے ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سخی آدمی اللہ سے قریب ہے
جنت سے قریب ہے
لوگوں سے قریب ہے
اور جہنم سے دور ہے
جبکہ
بخیل آدمی اللہ سے دور ہے
جنت سے دور ہے
لوگوں سے دور ہے
اور جہنم سے قریب ہے

جاہل سخی اللہ کے نزدیک بخیل عابد سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی:1961)

8: روزہ

"روزہ انسان کے مزاج اور طبیعت سے کثافت کو دور کرتا ہے اور روحِ انسانی کو لطیف بناتا ہے۔مفاسد اعمال میں تباہ کر دینے والی چیزیں بدعقیدگی، شہواتِ اکل و شرب میں بداعتدالی اور جنسیت میں ہیجان اور آوارگی ہے۔روزہ ان سب مفسدات کو کنٹرول میں لے لیتا ہے اور بدن میں روحانیت کی پیاس بڑھا دیتا ہے اور انسانوں کی روح اور جان کو مشقتوں کا خوگر بنا دیتا ہے۔چند روزے ہی رکھنے کے بعد روزہ دار خود کو تجربوں کی جولانگاہ میں محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ نور و ضیاء کا ماحول جنت بن کر اُسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔روزہ کے اسی کردار کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"الصوم جُنّة" روزہ ڈھال ہے۔

(تفسیر تبصرہ: جلد دوم)

9: عفت و پارسائی

اپنی عفت اور پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عفت اور پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں ہی روحانی ترقی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں۔اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کی ضمانت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری:6807)

10: کثرت سے اللہ کا ذکر

قرآن مجید کی یہ آیت کس قدر اطمینان فروغ ہے:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

"خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے"۔

احادیث میں ذکر کے درج ذیل فضائل بیان ہوئے:

- اللہ کا ذکر ایمانِ کامل کی نشانی ہے
- ذکر اللہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی پانے کا ذریعہ ہے
- ذکرِ الٰہی عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا ہے
- ذکر کرنے والے قیامت کے دن بلند درجے میں ہوں گے
- ذکر کے حلقے جنت کی کیاریاں ہیں
- محفل ذکر کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے
- اللہ کا ذکر کرنے سے شیطان دل سے ہٹ جاتا ہے
- اللہ کے ذکر سے دل کی صفائی ہوتی ہے
- ذکر کرنے والوں کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا

صاحب تفسیر تبصرہ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب رقم طراز ہیں:

"مفسرین لکھتے ہیں کہ ذکر کی پہلی قسم زبان سے اللہ کی تسبیح اور تحمید ہے، تکبیر اور تمجید ہے اور تذکیر اور تہلیل ہے۔مجدد الف ثانی قرآن مجید کی تلاوت کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ذکر کی دوسری قسم قلبی اور خفی ذکر ہے۔یہ ذکر تمام قویٰ ادراکیہ اور لطائف باطنیہ کو اللہ کے اسم پاک کی طرف متوجہ کرنا ہے۔بزرگ کہتے ہیں کہ یہ محویت اس قدر زیادہ ہونی چاہیے کہ بندہ خود بھی خود کو بھول جائے اس لیے سمت شیخ اور مراقبہ دونوں طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں، اصل تو اس کی خفی ذکر ہے۔شیخ کی توجہ واقعتہً کارگر ہوتی ہے۔مولوی عبد الحق نے صحیح لکھا کہ مٹی پھول کی صحبت سے معطر ہو جاتی ہے اور لوہا آگ میں رہنے سے انگر ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان پر آثار تقدس فائض ہوتے ہیں۔اس کیفیت میں بندہ سے عجب عجب چیزیں سرزد ہوتی ہیں، انہی صادرات کو کرامات بھی کہا جاتا ہے۔ذکر کی تیسری قسم جوارح کو اللہ کی اطاعت اور بندگی میں لگا دینا ہوتا ہے اور منہیات سے جوارح کو باز رکھنا ہوتا ہے۔

(تفسیر تبصرہ: جلد دوم)

زندگی قرآن کے ساتھ

قرآن حکیم پڑھتے جایئے ہدایت کے نئے سے نئے افق روشن ہوتے جائیں گے۔ یہ صحیفۂ ہدایت بھی ہے اور نصاب زندگی بھی۔ اس کی ایک ایک آیت انسانی زندگی کو سنوارنے کے کئی ایک دروس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کتاب حکیم ہماری عملی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لیے ہمیں جو تربیتی نکات عطا کرتی ہے۔ اس تحریر میں آپ وہی نکات ملاحظہ فرمائیں گے۔ زیرِ نظر تحریر کوئی تفسیر نہیں بلکہ شاہ جی کی صحبت سے مطالعۂ قرآن کے ذوق کی خیرات پانے والے ایک ذرّۂ ناچیز کے ہفتہ وار دروسِ قرآن کا خلاصہ ہے جو قبلہ شاہ جی زید مجدہ کے زیر سایہ راولپنڈی کی ایک مسجد میں عرصہ پندرہ سال سے جاری ہیں۔ اگر کوئی جملہ اچھا لگے تو اُسے اُنہی کی نظر کا فیض سمجھا جائے اور اگر طبیعت پہ کہیں بوجھ محسوس ہو تو راقم کے لیے مغفرتِ ذنوب کی دعا کر دی جائے۔

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

سورۃ النمل آیات 7 تا 9

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًاؕ
سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ
لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝٧ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ
بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَاؕ وَ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝٨ یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ
الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُۙ ۝٩

''جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا میں نے آگ دیکھی ہے میں تمہارے پاس ابھی وہاں سے کوئی خبر لے آتا ہوں یا آگ کا شعلہ ہی سلگا کر لے آؤں گا تاکہ تم تاپو پس جب آپ وہاں پہنچے آواز دی گئی برکت دیا گیا جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے اور جو اُس کے اردگرد ہے اور کائنات کا پالن ہار پاک ہے، اے موسیٰ! بے شک میں ہی ہوں اللہ غالب حکمت والا''۔

(1) سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ خاص طور پر سفر اگر راہِ حق میں ہو تو اللہ تعالیٰ بے سروسامان مسافروں کو بھی غیبی تائید اور بے گمان مدد سے نواز دیتا ہے۔

(2) Do not Judge a book by its cover

کبھی کسی چیز کے ظاہر کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ کبھی آگ کی صورت میں دکھائی دینے والی چیز دراصل نورِ خدا کی امین ہوتی ہے اور کبھی چمکتی روشنی دراصل شیطانی جال یا چال ہوا کرتی ہے۔ تدبر، حکمت، بصیرت اور دانائی کے ساتھ اشیاء کا تجزیہ انسان کو شرمندگی سے بچا لیتا ہے۔

(3) برکتیں اور رحمتیں نورِ خدا کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ نورِ خدا اگر کسی زمین کے ٹکڑے پر جلوہ بکھیرے تو وہ خطۂ ارضی متبرک ہو جاتا ہے۔ تجلیاتِ باری اگر کسی درخت کی شاخوں پتوں میں اتر جائیں تو وہ درخت شجرِ طیبہ بن جاتا ہے اور انوارِ الٰہی کا نزول کسی انسان کے دل پر ہو تو وہ انسان عام نہیں رہتا خاص ہو جاتا ہے۔ برکتیں اس کے دامن میں سمٹ آتی ہیں اور رحمتیں اسے اپنے حصار میں لے لیتی ہیں۔ ایسے انسانوں کی صحبت میں آنے والے اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنے والے بھی محروم نہیں رہتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے کچھ جلوے انہیں بھی ضرور عطا فرما دیتا ہے۔

(4) کسی خاص خطۂ ارضی کے متبرک ہونے کا بیان سورۃ اسراء میں بھی کیا گیا۔ وہاں "الذي باركنا حوله" کے الفاظ ہیں اور یہاں "بورك من في النار" کے کلمات۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی ایک پیغمبر کی معراج کا تذکرہ ہے اور یہاں بھی معراجِ پیغمبر کا بیان۔ فرق یہ ہے کہ وہاں حبیب کی معراج تھی اور یہاں کلیم کی۔ وہاں بھی برکت اور یہاں بھی رحمت۔۔۔ ایک اور فرق یہ کہ کلیم کی معراج کا یہ انتہائی مرحلہ یا آخری پڑاؤ ہے۔ جبکہ حبیب کی معراج کا وہ پہلا مرحلہ اور بالکل ابتدائی پڑاؤ تھا گویا یہاں کلیم و حبیب کا فرق سمجھایا گیا کہ کلیم کے وجود سے جڑی برکتوں اور رحمتوں کی جو انتہا ہوتی ہے وہ حبیب کے قدموں سے جُڑی برکات کی ابتدا ہوا کرتی ہے اور یہ بھی کہ معراجِ موسیٰ کی انتہا معراجِ محمد کی ابتدا ہے۔ سمجھنے کی بات یہ کہ جب کلیم و حبیب کے مقام و مرتبہ میں اس قدر تفاوت ہے تو کوئی عام بشر کسی پیغمبر کی برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔

(5) ''ندائے ربی درخت سے سنائی دی'' راز یہ ہے کہ وہ اللہ اگر چاہے تو ایک بے جان درخت سے اپنی آواز سنا سکتا ہے تو بعد از شہادت سرِ حسین سے اپنے کلام قرآن کو جاری کیوں نہیں کر سکتا۔

(6) خاوند اور بیوی کے باہمی تعلق کی بنیاد انس و محبت اور موافقت و موانست کے ساتھ ساتھ ہمدردی کے جذبات پر ہونی چاہیے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے۔ خصوصاً دونوں میں سے کوئی ایک اگر تکلیف میں ہو تو دوسرے کو اسکا سہارا بننا چاہیے۔ مشکل حالات میں ساتھی کا پشت پہ کھڑا رہنا انسان کو مشکلات جھیلنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ ٹھٹھرتی رات میں حضرت موسیٰ کا اپنی اہلیہ کے لیے تڑپنا اور ان کے لیے راحت کا سامان تلاش کرنا گھریلو زندگی کا یہ اہم سبق قاری قرآن کو سکھاتا ہے۔

(7) اللہ رب العزت کا قرب اور اس کی معرفت فقط عبادت و ریاضت اور قیام و سجدہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ عبادت کے ساتھ ساتھ ''خدمتِ انسانی'' کی صورت میں حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام انسان کو اس عظیم منزل سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ کی ذات زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے، تاہم وہ لازمان و لامکاں رب جب کسی کو شرفِ لقاء بخشنا چاہے تو اس کے لیے زمان و مکاں کی تعیین وہ خود اپنی حکمتوں کے ساتھ کرتا ہے۔ کسی کو طُور پر اور کسی کو دنا فتدلیٰ پر۔ یہ فیصلے اس کے اپنے ہیں جن پر اعتراض اس کی قدرت و حکمت پر اعتراض ہے۔ اسی لیے اس نے اپنا تعارف عزیز اور حکیم کے طور پر کروایا۔

(9) اگر "بورک من فی النار" سے مراد نورِ باری اور "ومن حولھا" سے فرشتے مراد ہوں تو اس

سے سوچ کا یہ دریچہ کھلا کہ جہاں فرشتے ہوں وہاں اگر برکت ہے اور اتنی برکت کہ اسکا بیان نصِ قرآنی میں آ گیا تو بندہ مومن کے دل کا کیا مقام ہوگا جہاں انوارِ باری تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے۔

(10) حضرت موسیٰ نے جو آگ دیکھی وہ ایک درخت کی شاخ سے نکل رہی تھی۔۔۔ نہ تو درخت کی رطوبت اس آگ کو بجھانے کا باعث بن رہی تھی اور نہ ہی آگ اس درخت کو جلا رہی تھی بلکہ آگ جوں جوں بھڑکتی درخت کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا۔ سیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسانی فہم وادراک اور عقل وشعور سے آگے بہت آگے رب کی قدرت کا جہاں شروع ہوتا ہے۔ بندے کی بندگی اور انسان کی عظمت ہمہ دم سر بسجود رہنے میں ہے۔

(11) حضرت موسیٰ کا اپنی اہلیہ کو انتظار کرنے کا بول کے جانے کا تذکرہ قرآنِ حکیم نے کیا مگر اس کے بعد اُن کی اہلیہ کا معاملہ کیا ہوا؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ بات یہ معلوم ہوئی کہ بڑی منزلوں کے مسافر راستے کے معاملات میں الجھتے ہیں نہ ہی غیر ضروری تطویلات کا شکار ہوتے ہیں بلکہ ان کا فوکس ہمیشہ اپنی منزل پر رہتا ہے۔ راہِ حق کے مبلغ کو بھی بس اپنے ٹارگٹ تک پہنچنے کی فکر میں رہنا چاہیے۔

سورۃ النمل آیات 10 تا 12

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١١ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۟ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝١٢

”اور اپنا عصا ذرا زمین پر ڈال دو، اب جو اسے دیکھا تو جیسا پھنکارتا لہراتا سانپ ہو آپ نے پیٹھ کی جانب منہ پھیر لیا اور چل پڑے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ! ڈرو نہیں رسولوں کو میری طرف سے ڈرایا نہیں جاتا سوائے اُس کے جس نے ظلم کیا اور بُرائی کے بعد اچھا انقلاب لے آیا تو میں بخشنے والا مہربان ہوں اور داخل کیجئے اپنے ہاتھ کو گریبان میں وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا نو معجزات کے ساتھ فرعون اور اُس کی قوم کی طرف جا، بے شک وہ سرکش لوگوں پر مشتمل ایک قوم ہے“۔

(1) دینی خدمت کے کارِ عظیم کی ادائیگی کے لیے کارکن کا انتخاب منجانب اللہ ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ وہ خود کرتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا عظیم کام کس کے سپرد کرنا ہے۔ اس کی جانب سے جب کسی کا انتخاب اس مقصد کے لیے ہو جائے تو پھر اس کی کمزوریوں کو قوتوں اور ناتوانیوں کو توانائیوں سے بدلنا بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہوتا ہے۔ وہ جس سے جو کام لینا چاہے اس کے مطابق اسے صلاحیت بھی عطا فرما دیتا ہے اور اس سے متعلقہ اسباب ووسائل سے بھی اپنے بندے کو نواز دیتا ہے اس لیے رب سے اسباب و وسائل کی بجائے اس کی نگاہ رحمت کا سوال کرنا چاہیے کہ نگاہِ انتخاب مل گئی تو سبھی کچھ نصیب ہو گیا۔

”تجھ سے تجھی کو مانگ کر اچھا رہا مانگنا تیرا“

(2) انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات دراصل قدرتِ باری ہی کا اظہار ہوتی ہیں۔ ان کا منکر درحقیقت قدرتِ ربِ ذوالجلال کا منکر ہوتا ہے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں معجزات کا انکار کسی کافر کی جانب سے بیان نہیں ہوا بلکہ مطالعہ قرآن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کفار بھی جب رسول رحمت ﷺ یا آپ سے قبل کسی نبی کی دعوت سنتے تو نبی سے معجزہ ہی طلب کرتے اور ساتھ اُن سے پہلے انبیاء کے معجزات کا حوالہ بھی دیتے، گویا ان کا ماننا بھی یہی تھا کہ جو نبی ہو اُسے اللہ کی جانب سے محیر العقول قوتیں عطا کی جاتی ہیں۔ فکری اعتبار سے کس قدر محروم ہیں وہ لوگ جو کلمہ پڑھنے کے باوجود معجزات کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تسلیم و رضا اور رب کی قدرت کے سامنے گردن جھکا دینا ہی مومنانہ طرزِ عمل ہے۔ اس کے سوا ہر انداز باغیانہ اور ہر روش منکرانہ ہے۔

(3) قرآنِ حکیم میں ایک جگہ کہا گیا ”فاللہ احق ان تخشوہ“ پس اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو“ ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے خود ہی فرمایا ”الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون“ ”سن رکھو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ اور اس مقام پر بھی یہی ارشاد فرمایا کہ **”لا یخاف لدیَ المرسلون“** ”میرے حضور رسولوں کو کوئی خوف نہیں ہوتا“۔

قابل غور نکتہ یہ کہ وہاں رب سے ڈرنے کی ترغیب اور یہاں دلوں سے خوف دور کرنے کا اہتمام۔۔۔ راز یہ ہے کہ جس کے دل میں خوف خدا جتنا زیادہ ہوگا وہ اسکے علاوہ دنیا آخرت کے ہر خوف سے بے نیاز ہو جائے گا۔ جو رب سے ڈرنے لگ جائے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ جس کے دل میں خشیتِ باری کا نور اُتر جائے وہ کسی اور ڈر کی ظلمت سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ بھی کہ منکرین ومعاندین اور نافرمانوں معصیت کاروں کو تو عذاب الٰہی سے ہمہ وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ رہے دوست تو **لا خوف علیھم**۔ اور جب دوستوں کا یہ عالم ہے تو جن رسولوں کا دامن تھام کر وہ دوست بنے ان رسولوں کا تو رب کے فضل پہ حق ہے کہ انہیں کہا جائے **"لا یخاف لدی المرسلون"**۔ گویا عذابِ الٰہیٰ سے بے خوف اور مامون ہونے کا ایک ہی وسیلہ ہے اور وہ ہے قربِ الٰہی۔

(4) اللہ رب العزت قادر وقدیر ہونے کے باوصف غفور الرحیم ہے۔ بندہ زندگی معصیت کی ظلمتوں میں اور ظلم کے جہانوں میں گزار کے بصدقِ دل تائب ہو جائے۔ انابت الی اللہ اور رجوع الی الحق کا راستہ اختیار کر لے اور نافرمانیوں کی روش ترک کر کے نیکی تقوٰی اور احسان کی راہ پہ چلنے لگے تو رحیم رب کی رحمتیں اسے سنبھالا دیتی ہیں اور غفور پروردگار اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے گویا پہاڑوں جتنے گناہ ہو جائیں تو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُمید کی روشنی میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے وہ بے حساب کرم سے نواز دیتا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ چاہتا تو براہ راست حضرت موسیٰ کو روشن ہاتھ عطا فرما دیتا مگر ہاتھ اپنے ہی گریبان میں ڈالنے کا حکم دے کر سمجھایا گیا کہ ہاتھ کی چمک دراصل موسیٰ کے اپنے ہی دل پر برسنے والے انوارِ الٰہیہ کی تھی۔ جن کے سامنے آنے والا ہاتھ بھی روشن ہو گیا۔ سیکھنے کی بات یہ کہ اہل اللہ کے دل جمالِ محبوب کے جلووں سے چونکہ روشن ہوتے ہیں لہٰذا کوئی عام آدمی بھی اگر ان کی صحبت اختیار کر لے تو ان کے دل سے نکلنے والا نور ان کے صحبت نشینوں کے قلوب وارواح کو بھی روشن وتابندہ کر دیتا ہے۔ اسلام میں پیری مریدی کا تصور بھی بس یہی ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 31 پر

حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم

ڈاکٹر منظور حسین اختر

عالی نسب

حضرت امام قاسم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں جبکہ آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔

اہل بیت اطہار سے نسبت

آپ امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی اور سیدنا امام جعفر صادق کے نانا تھے۔ آپ کی والدہ کا اسم مبارک حضرت سودہ ہے۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ان کے والد محمد بن ابی بکر عثمان کے بعد تقریباً 36ھ میں شہید کیے گئے تو قاسم یتیم ہوئے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں آئے۔

تاریخ ولادت

آپ کی ولادت 23 شعبان 24ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ یہ زمانہ اختتام خلافت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابتدائے خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں پرورش:

حضرت امام قاسم کے والد یعنی حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت علی کے پر جوش حامیوں میں سے تھے۔ یوں کہ کیجیے!

آپ کے والد "مولائی (علی علیہ السلام والے)" تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کا والی بنا دیا، جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی، اس وقت محمد بن ابی بکر شہید ہو گئے۔ قاسم اس وقت بہت کم سن تھے، اس لیے ان کی پھوپھی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے آغوشِ شفقت میں لے لیا اور بڑے لاڈ پیار سے پالا، قاسم اس زمانہ کے بعض واقعات جو اُن کے حافظہ میں رہ گئے تھے، بیان کیا کرتے تھے؛ چنانچہ کہتے تھے کہ ہماری پھوپھی عائشہ عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈاتی تھیں، اورہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں اور دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔

آپ کا بیان ہے کہ ہم نے پھوپھی جان کے اندر ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت دونوں بدرجۂ اتم پائی تھی، پھر آگے فرمایا:

و كانت لا تفتأ تحضّنا على الخير، و تُمرِّسنا بفعله، و تنهانا عن الشر، و تحملنا علىٰ تركه، و قد دَأَبت علىٰ تلقيننا ما نطيقه من كتاب الله، و ترويتنا ما نعقله من حديث رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صور من حياة التابعين، ص: ۳۰۲)

"وہ ہمیں بھلائی پر ابھارتی رہتیں اور اسے بجا لانے کی عادت ڈالتیں، برائی سے روکتیں اور اسے چھوڑے رہنے کی تاکید کرتیں اور ان کی عادت سی ہوگئی تھی کہ ہم جتنا سیکھ سکتے تھے، کتاب اللہ سکھاتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث کا جام پلاتیں"۔

صاحبِ علم وفضل وکمال

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ مخدومہ تھیں جن کے ادنی ترین خدام مسند علم وعمل کے وارث ہوئے۔ قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے، ان کی تربیت نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت وعالی مرتبت فقیہ امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی جلالت توثیق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔

علمِ حدیث میں امتیازی شان کا حامل ہونا:

چونکہ آپ کی پرورش ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی تو کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ عالم بالحدیث نہ ہوتے، چنانچہ آپ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چشمہ فیض سے بھر پور طریقہ سے فیضیاب ہوئے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتا تھا۔ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھتا تھا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا، ابن عمر کے پاس ایسا علم وورع تھا اور ایسے نادر معلومات تھے جو اور کہیں نہیں حاصل ہو سکتے تھے۔ ان بزرگوں کے فیض نے ان کو ممتاز حافظِ حدیث بنا دیا تھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔

حافظ ذہبی انہیں حفاظِ حدیث حدیث میں امام اور قدوۃ لکھتے ہیں۔

ابو الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا عالم نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے خصوصیت کے ساتھ بڑے حافظ تھے۔

خالد بن بزاز کا بیان ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے تین بڑے واقف کار تھے، قاسم، عروہ اور عمرہ۔

ابن معین کا بیان ہے کہ عبید اللہ بن عمر عن قاسم عن عائشہ کا سلسلہ روایت طلائے خالص ہے۔

تلامذہ وشاگرد

علم حدیث میں بڑے بڑے ممتاز ائمہ آپ کے تلامذہ ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، عبدالرحمن بن قاسم، امام شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید انصاری کے لڑکے یحیٰی سعید بن ابی ملیکہ (نافع مولی ابن عمر، امام زہری، عبیداللہ بن عمر، ایوب ابن جون اور مالک بن دینار وغیرہ۔

علمِ فقہ میں آپ کا عالی مقام

حضرت امام قاسم کو فقہ میں خاص مقام حاصل تھا۔ آپ امامت و اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے چونکہ آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے زیر پرورش تھے اس لئے علمِ فقہ بھی آپ نے اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مدینہ کے سات مشہور اور ممتاز فقہا میں سے ایک تھے۔

''تہذیب اسماء''، ج 1 میں درج ہے کہ ''خود فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مستقل فتویٰ دیتی تھیں اور میں ان کے ساتھ رہتا تھا''۔

اس عہد کے تمام علما ان کے تفقہ کے معترف تھے۔

ابی الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

امام مالک فرماتے تھے کہ قاسم اس امت کے فقہا میں تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: 1/85)

جب اس صدیقی نوجوان کے علم و معرفت کی تمام جہتیں مکمل ہوگئیں اور لوگ حصولِ علم کی خاطر شوق و رغبت سے ان کے پاس آنے لگے تو اس نے ان پر علم کے دریا بہادیے۔

وہ مسجد نبوی میں اپنے مقررہ وقت پر ہر صبح آتے، دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے پھر منبرِ رسول ﷺ اور روضۂ رسول ﷺ کے درمیان باب عمر کے سامنے اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھ جاتے تو ہر طرف سے طالب علم ان کے پاس جمع ہونے لگتے اور ان کے شیریں و صاف چشمۂ علم سے اپنے پیاسے دلوں کو خوب سیراب کرتے۔

کوئی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ قاسم بن محمد اور ان کے خالہ زاد سالم بن عبداللہ بن عمر مدینہ کے قابل اعتماد امام اور ایسے رہنما و سردار بن گئے کہ لوگ ان کی بات سنتے اور مانتے تھے۔

ان کے پاس کوئی گورنری تھی نہ حکومت، مگر لوگوں نے ان کو اپنا سردار و قائد بنالیا تھا، کیوں کہ انھوں نے اپنے آپ کو ورع و تقویٰ سے آراستہ کر رکھا تھا۔ دل علم و فقہ سے معمور کر رکھے تھے اور لوگوں کے ہاں پائے جانے والے مال و متاع سے بے نیازی اور اللہ کے حضور جو کچھ ہے اس میں رغبت پیدا کر رکھی تھی۔

(صور من حیاۃ التابعین، ص: ۳۰۶، ۳۰۷)

آپ کے حلقہ درس میں آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمان تشریف فرما ہوتے پھر حضرت عبدالرحمان کے بعد اس مقام پر امام مالک کی مسندِ درس بچھی، یہ جگہ روضہ نبوی اور منبر نبوی کے درمیان خوخہ عمر کے سامنے تھی۔

معاصرین کا اعتراف کمال

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علما اور ارباب کمال حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کے کمالات علمی کے معترف تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما پر فضیلت دی جاسکے

ابوالزناد کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔

ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔

وفیات الاعیان میں ہے:

كان من سادات التابعين و أحد الفقهاء السبعة بالمدينة۔

(وفيات الاعيان لأبناء أبناء الزمان، ج:۴، ص:۵۹، دار صادر، بيروت)

''سادات تابعین اور مدینہ کے سات فقہا میں سے تھے''۔

اور عجلی نے فرمایا:

كان من خيار التابعين و فقهاءهم۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۵۷)

خیارِ تابعین اور فقہائے تابعین سے تھے۔

اور فرمایا: **مدني تابعي، ثقة نزه رجل صالح۔**

(سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۵۷)

مدنی تابعی تھے، ثقہ، پارسا اور نیک شخص تھے۔

ابو زیاد نے کہا: **مارأيت فقيهاً أعلم من القاسم، و مارأيت أحداً أعلم بالسنّة منه۔**

(تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۹۷)

میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، اور نہ ان سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم پایا۔

اور امام مالک نے فرمایا:

كان القاسم من فقهاء هذه الأمة۔

(طبقات الفقہاء۔ ص:۵۹)

قاسم اس امت کے فقہا میں سے تھے۔

ابن سعد نے واقدی سے بیان کیا:

كان ثقة رفيعا عالما إماما فقيها ورعا كثير الحديث۔

(تہذیب التہذیب، ج:۳، ص:۴۲۰، تہذیب الکمال، ج:۲۳، ص:۴۳۰)

وہ (قاسم بن محمد) ثقہ، بلند مرتبہ، عالم، امام، فقیہ، متورّع اور کثیر الحدیث تھے۔

ایک سوال کا خوبصورت جواب

اتنے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ میں عاجزی و انکساری کمال درجے کی تھی۔ کبھی بھی آپ کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پایا جس سے ان کے کسی معاصر کی خفیف سی سبکی کا بھی احتمال ہوسکتا ہو۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ان سے سوال کیا آپ بڑے عالم ہیں یا سالم، اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی، اگر اظہار واقعہ کرتے تھے تو اپنی زبان سے اپنی تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تھے تو جھوٹ ہوتا تھا، اس لیے پہلے تو انھوں نے سبحان اللہ کہہ کر ٹالا، لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں ان سے جا کر پوچھ لو۔

علم کے ساتھ عمل کا حسین امتزاج

امام قاسم میں جس پایہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل بھی تھا، اُن کی ذات جملہ فضائل اخلاق کی جامع تھی وہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مثنیٰ تھے۔

زبیر کہتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں میں نے اس نوجوان (قاسم) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔

زہد و عبادت، تقویٰ و طہارت میں اپنی مثل آپ تھے یہاں تک کہ حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **"ما ادركنا في المدينة احدا نفضله على القاسم بن محمد"** کہ مدینہ طیبہ میں حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر فضیلت والا ہمیں کوئی نظر نہ آیا، اس کے باوجود کہ آپ مدینہ عالیہ کے مشہور سات فقہاء میں سے تھے، پھر بھی فرماتے تھے **"لانعلم كل ما نسئال عنه"** یعنی ضروری نہیں کہ جو کچھ ہم سے پوچھا جائے وہ ہم جانتے ہی ہوں، نیز فرمایا:

"و من العلم لا قولک "لا ادری"۔

یعنی یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا بھی ایک طرح کا علم ہی ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 35 پر

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید

آصف بلال آصف

عظیم جرنیل۔۔۔۔

نامور فاتح۔۔۔۔

ہمت و جواں مردی کی علامت۔۔۔۔

شجاعت و بہادری کا پیکر۔۔۔۔

تاریخ اسلام کا روشن ستارہ۔۔۔۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خالد اور کنیت ابو سلیمان ہے۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ولید بن مغیرہ تھا۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام لبابہ حضریٰ بنتِ حارث تھا۔۔۔۔ جو کہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلے بنو مخزوم سے تھا۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب ساتویں پُشت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔۔۔۔

محققین کے مطابق آپ کی ولادت 583ء میں ہوئی تھی۔۔۔۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے مکہ کے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جو اپنی دولت، سخاوت اور فہم و فراست کے حوالے سے جانا پہچانا جاتا تھا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا شمار مکہ کے رؤسا اور ممتاز ترین افراد میں ہوتا تھا وہ مکہ سے طائف تک پھیلے بے شمار باغات کے مالک تھے۔عقل و دانش کے اعتبار سے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا اہلِ مکہ میں ایک خاص مقام تھا۔۔۔ یوں آپ رضی اللہ عنہ کو دولت اور مذکورہ خوبیوں کا سرمایہ ورثے میں ملا تھا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے شاہانہ انداز میں پرورش پائی۔۔۔آپ رضی اللہ عنہ بڑے ناز و نعم میں پلے۔۔۔اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کو مردانہ کھیلوں اور فنون حرب و ضرب سیکھنے کا جنون تھا۔۔۔

اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے گھڑ سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی بچپن میں ہی سیکھ لی تھی۔۔۔۔

کُشتی اور نیزہ بازی میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہ تھا۔۔۔۔

لوگ آپ کو میدانِ جنگ کا جادوگر بھی کہتے تھے۔۔۔۔

میدان کھیل کا ہوتا یا جنگ کا آپ رضی اللہ عنہ اپنی ذہانت اور مہارت سے پانسا اپنے حق میں پلٹنے کے ماہر تھے۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کا جسم مضبوط اور کسا ہوا تھا۔۔۔۔

جبکہ سینہ بہت کشادہ تھا۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ بہادری میں بے مثل تھے۔۔۔۔

ایک اندازے کے مطابق ظہورِ اسلام کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر 12 سال کے لگ بھگ تھی۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ نیزہ بازی، شمشیر زنی، شہسواری اور جنگی داؤ پیچ کے ماہر تھے۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی نڈر۔۔۔۔ صاحب تدبر اور زیرک انسان تھے۔۔۔۔

جوان ہوتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کا شجاعت کا رنگ ایسا نکھرا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے منتخب نوجوانوں میں ہونے لگ گیا تھا۔۔۔

قبول اسلام سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اسلام کے سخت مخالف تھے۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے خلاف پیش پیش رہتے تھے۔۔۔ جنگِ اُحد میں فتح یاب مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچانے والے خالد بن ولید ہی تھے۔۔۔

یہ 628ء کا موسم بہار تھا۔۔۔ پودوں پر کلیاں پھول بن کر کھل رہی تھیں۔۔۔ بازاروں میں رونق بڑھ رہی تھی۔۔۔ حج کا زمانہ تھا اس لیے عارضی دکانوں اور ٹھیلوں نے شہر میں چہل پہل بڑھا دی تھی۔۔۔۔لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس بار بنی مخزوم کا شہزادہ خالد رضی اللہ عنہ کچھ اداس اور کھویا کھویا تھا وہ شہر میں منعقد ہونے والے جسمانی اور جنگی کھیل تماشوں کے مقابلوں سے بالکل لاتعلق تھا۔۔۔۔ ذہانت۔۔۔ حاضر دماغی۔۔۔ حالات کا تجزیہ کرنے اور جنگی حکمتِ عملی میں آپ رضی اللہ عنہ کو کمال حاصل تھا۔۔۔۔ اسی ذہانت، معاملہ فہمی اور جنگی سوجھ بوجھ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصے سے عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی سوچ کا محور اسلام کی ہر روز بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔۔۔۔ آپ رضی اللہ عنہ سوچتے کہ اپنی تمام تر عددی برتری اور بہتر جنگی ساز و سامان کے باوجود اہلِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں ہمیشہ ذلت اٹھائی۔۔۔۔

کبھی آپ کے ذہن میں جنگ بدر کا نقشہ پھرنے لگتا۔۔۔۔جب معمولی ہتھیاروں سے لیس 313 مسلمانوں نے ابوجہل کے لشکر کو شکست فاش سے ہمکنار کیا تھا۔۔۔۔کبھی جنگ اُحد میں مسلمانوں کی ثابت قدمی اور جانثاری آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں موجزن ہو جاتی۔۔۔۔کبھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ چشمِ تصور سے مکہ کے ناقابلِ شکست پہلوان رکانہ بن عبد یزید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں خاک چاٹتے ہوئے دیکھتے۔۔۔۔

آپ رضی اللہ عنہ کا ذہن اور تجربہ بے سرو سامان مسلمانوں کی ان عظیم فتوحات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔۔۔۔کبھی کبھی آپ رضی اللہ عنہ سوچتے کہ کیا مسلمانوں کے ساتھ کوئی غیبی طاقت ہے۔۔۔؟

کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں۔۔۔۔؟

اسی کشمکش میں کئی ماہ گزر گئے۔۔۔۔صلح حدیبیہ کو بھی ایک برس بیت چکا تھا۔۔۔۔

حضرت خالدؓ خود فرماتے ہیں۔۔۔۔۔کہ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ۔۔۔۔

۔۔۔۔۔مجھے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہر جنگ اور ہر محاذ پر ناکامی ہی کیوں ہوتی ہے۔۔۔۔؟

پھر آہستہ آہستہ میرے دل میں یہ خیال تقویت پکڑتا چلا گیا کہ کوئی غیبی طاقت میرے دل میں حضرت محمد ﷺ کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔۔۔۔

آپؓ کے بھائی نے بھی آپؓ کو قبول اسلام کے لیے خط بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ۔۔۔۔

"یہ بات میرے لئے بڑے تعجب کا باعث ہے کہ تیرے دل سے اسلام کی صداقت کیسے چھپی رہی۔۔۔۔

حالانکہ تیری عقل اور دانش کا کوئی ثانی نہیں۔۔۔۔اسلام ایک سچا مذہب ہے اور یہ تجھ سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔۔۔۔خود رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ خالد کہاں ہے۔۔۔؟ میں نے عرض کی کہ باری تعالیٰ اسے یہاں لے آئے گا۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ خالد جیسا عقلمند اور دانا انسان اسلام جیسے دین سے کیسے دور رہ سکتا ہے۔۔۔۔؟"

خط کے الفاظ آگے پیچھے ہو کر آپؓ کی سوچوں میں اُبھرتے ڈوبتے جا رہے تھے لیکن آپؓ کے دماغ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ بات گونج رہی تھی کہ۔۔۔۔"خالد جیسا دانا آدمی اسلام جیسے دین سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔۔۔۔"

آپؓ کے دل میں قبول اسلام کا جذبہ ابھرا اور قوت بن کر اس کو تقویت دے گیا تھا۔۔۔۔

آپؓ فرماتے ہیں کہ بھائی کا خط پڑھ کر میرے دل کی حالت بدل گئی اور میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کو بے تاب ہو گیا۔۔۔۔

تاریخ دان لکھتے ہیں کہ وہ 31 مئی 628ء کا دن تھا جب تاریخ اسلام کے دو عظیم جرنیل خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص مدینہ میں داخل ہوئے ان کے ساتھ عثمانؓ بن طلحہ تھا۔۔۔۔تینوں بارگاہ نبوت میں پیش ہوئے اور قبول اسلام کی خواہش کا اظہار کیا۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے تینوں کو باری باری گلے لگایا اور ان تینوں کو اپنی چادر رحمت کے سائے میں لے لیا۔۔۔۔

آپؓ ماہِ صفر سن 8 ہجری میں مشرف با اسلام ہوئے۔۔۔۔

جب قبولِ اسلام کر چکے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرطِ محبت سے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔۔۔۔

"مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے حوالے کر دیے ہیں"

حضرت خالدؓ بن ولید کے قبولِ اسلام پر نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔۔۔۔

"خالد تمہاری عقل و دانش اور فہم و فراست کی بنیاد پر مجھے قوی امید تھی کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مسلمان ہو جاؤ گے"۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔۔۔۔

آپؓ کا شمار نبی کریم ﷺ کے اہم ترین صحابہ میں ہوتا ہے۔۔۔۔آپؓ کو کتابتِ وحی کا شرف بھی حاصل تھا۔۔۔۔

حضرت خالدؓ بن ولید اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بہترین سپاہی اور حضرت محمد ﷺ کے بہترین سپہ سالار تھے۔۔۔۔

سن 8 ہجری میں جنگِ موتہ کے موقع پر لشکرِ اسلام کے یک بعد دیگرے تین سپاہ سالاروں کی شہادت کے بعد آپؓ نے اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔۔۔۔

اور اعلیٰ جنگی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کو تباہی سے بچانے اور دشمن کے نرغے سے نکالنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔۔۔۔اس معرکے میں دشمنانِ اسلام سے لڑتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے 9 تلواریں ٹوٹیں۔۔۔۔

اسی موقع پر زبانِ رسالت ﷺ سے آپ کو "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا اعزاز و خطاب عطا ہوا۔۔۔۔

آپؓ واقعی اللہ تعالیٰ کی تلوار ہی تھے۔۔۔۔

جس جس میدان میں بھی آپؓ اترے فتح یاب ہوئے۔۔۔۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو میمنہ (دائیں طرف کی فوج) کا سالار مقرر فرمایا تھا۔۔۔۔

عہدِ صدیقی و فاروقی میں بھی آپؓ نے اپنی تلوار کو ظالموں کے لیے ہمیشہ بے نیام رکھا۔۔۔۔

آپؓ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں تیر کے نشان اور نیزے کے گھاؤ نہ ہوں۔۔۔۔

آپؓ نے 100 سے زائد جنگوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔۔۔۔

آپؓ بہترین جنگجو ہونے کے ساتھ ساتھ سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی تھے۔۔۔۔

آپؓ نے اپنی ٹوپی کے اگلے حصے میں حضور نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک محفوظ کیے ہوئے تھے۔

آپؓ یہی ٹوپی پہن کر دشمنانِ دین سے جنگ کیا کرتے تھے۔۔۔۔

لیکن آپؓ کو میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہونے کی حسرت ہی رہی۔۔۔۔

بالآخر فتح و نصرت کی یہ علامت۔۔۔۔عسکری دنیا کا یہ روشن ستارہ۔۔۔۔

21 ہجری، 29 جمادی الثانی کو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں شہر حمص میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

بقیہ: زندگی قرآن کے ساتھ

(6) سنتِ الٰہیہ ہے کہ اُس کی جانب سے انسانوں کی ہدایت کے لیے ہر اہتمام بطریقِ احسن اور بدرجہ کمال کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ پر ایک دو نہیں بلکہ نو نو معجزات کی نوازش اُن کے لیے مہربانی تو تھی ہی ساتھ قومِ فرعون کی ہدایت کا سامان و اہتمام تھا کہ کسی ایک معجزے کو دیکھ کر ہی وہ ایمان لے آئیں۔ داعیٔ حق کو بھی چاہیے کہ اپنے مخاطبین کو مختلف مضبوط دلائل بھی دے اور دلائل پیش کرنے کے مختلف حسین اسالیب اختیار کرے تاکہ کسی نہ کسی طرح وہ لوگ مائل بہ حق ہو جائیں۔

(7) داعی کے لیے جمالیاتی سوچوں کا حامل ہونا لازم ہے۔ منفی سوچ اور منفی طرزِ عمل کبھی بھی دوسروں کے لیے ہدایت کا باعث نہیں بن سکتا۔ فرعون اور اس کے متبعین اگرچہ واضح کافر تھے مگر قرآنِ حکیم نے یہاں اسلوب میں نرمی اختیار کرتے ہوئے "انهم كانوا قوماً فاسقين" کہا۔ سکھایا یہ جا رہا ہے کہ مبلغ حق کو چاہیے کہ وہ مخاطبین کے عیوب و نقائص کو نظر انداز کر کے انتہائی نرمی کے ساتھ انہیں راہِ حق کی دعوت دے کیونکہ سختی کرنے سے ممکن ہے اُن کے اندر جہالت کی عصبیت بیدار ہو جائے اور وہ دہلیزِ پروردگار سے قریب ہونے کی بجائے خدانخواستہ مزید دور ہو جائیں۔

حضرت سخی سلطان باھو سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ

ماسٹر احسان الٰہی

اللہ اور اس کے محبوب کی محبت اور عشق میں خود کو فنا کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ رہتی دنیا تک قائم ودائم رہے گا اور قیامت تک معرفت کے یہ چراغ جگمگاتے رہیں گے۔ صوفیائے کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں کی زندگی کا ہر لمحہ دین واسلام کی تبلیغ ونشرواشاعت کے لیے وقف رہا ہے۔ خاص کر خطہ پاک وہند کے بے آباد ویرانوں کو انہی اولیاء اللہ نے رونق بخشی اور ریگستان اور پہاڑوں میں دین کے چشمے جاری فرمائے۔ آج بادشاہوں کے محلات عبرت کی منہ بولتی تصویر بنے ہمارے سامنے ہیں۔ قارون کے خزانے، نمرود کا تفاخر، فرعون کا تکبر، شداد کی جنت، یزید کا تخت سب قصہ پارینہ ہو گئے اور تاریخ کا سیاہ باب ثابت ہوئے مگر ان بوریا نشینوں کی درگاہیں اور آماجگاہیں آج بھی اللہ کے نور سے سورج کی روشنی سے بھی زیادہ جگمگا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا ذکر خیر کرنا بھی ایک سعادت ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث کا ترجمہ ہے کہ ’’جس نے مومن کی تاریخ لکھی اس کے لیے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اُس نے اُسے زندہ کر دیا‘‘۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی اپنے برگزیدہ اور خاص بندوں کو دنیا میں جہالت کی تاریکی کو دور کرنے اور نورِ اسلام کو پھیلانے کی ذمّہ داریاں سونپ رکھی ہیں۔ اس لیے اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کے ان نیک، پارسا، اور صالح بندوں نے اپنے اپنے طور پر عبادت گزاری، شب بیداری، پرہیزگاری اور زہد وتقویٰ کے عملی نمونوں سے خلقِ خدا کو شمعِ رسالت کا پروانہ بنایا۔ پاک وہند کی سرزمین کی یہ خوش نصیبی ہے کہ یہاں داتا گنج بخش، بابا فرید گنج شکر، مجدد الف ثانی، معین الدین چشتی، خواجہ نظام پاک، بہاؤ الحق زکریا ملتانی اور سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ جیسی بے شمار ہستیوں نے علم وعرفان کے دریا بہائے انہی بوریا نشینوں کا فیض تھا کہ اپنے لیے دنیا کی ہر نعمت کو ٹھکرا کر وہ لوگوں میں خیر بانٹتے رہے۔ یہ ایسے فقیر ہوتے ہیں جن کی خانقاہوں میں بادشاہ وقت برہنہ پا حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں سے حاجت مندوں اور ہزار لوگوں کی جھولیوں کو مرادوں سے بھر دیتا ہے۔

انسانی اقدار کو دینِ اسلام نے دائمی قوتیں عطا کی ہیں اور کسی بھی مذہب یا تہذیب میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہیں پائی جاتی جتنی اخلاقی وسعتیں اور ہر زمانے کے انسانوں کو بہترین فردِ معاشرہ بنانے کی صلاحیت اسلام میں موجود ہے۔ آج کے دور سے ناقدین یا کسی بھی زمانے کے معترضین اسلام کی وسعت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسلام کی روشن اور آسان تعلیمات پر بے جا اعتراض کرتے رہے ہیں۔ اسلامی ہدایات سے آراستہ ومرصّع باعمل اہل علم صوفیوں نے کفر وطاغوت کے اِس طلسم کو اپنی خالص نیتی کے ساتھ ساتھ اپنے پاکیزہ اور جاذب نظر کردار کی بے پایاں قوت سے پاش پاش کیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اہلِ بیت اطہار اور صحابہ کرام کی عظیم جماعت کو انسانیت اور انسانیت نوازی کا اتنا بلند اور ارفع مرقع بنا دیا تھا کہ اس رفیع المرتبت ہادیانِ برحق کی جماعت نے دنیا کے ہر خطے اور ہر زمانے کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ایسی روشنی عطا فرمائی کہ جس روشنی نے دلوں کے زنگ اتار دیے اور یہ روشنی نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی مختلف برّ اعظموں میں نعمتِ اسلام قبول کرنے والوں کی آئندہ نسلوں میں ایمان اور اسلام کی حقانیت اور شمع روشن کرتی چلی گئی۔

بے بس اور بے دلیل نام نہاد مفکرین مشرق ومغرب اپنی بدنصیبی اور کم ظرفی کو چھپانے کے لیے ایک عام اعتراض نہایت ڈھٹائی سے دہراتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، تلوار کا استعمال تو اس وقت ہوا جب کسی بھی خطّے، معاشرے کے بے کس، مظلوم اور جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے والوں سے اپنے متکبر اور جابر حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی بھی دردمند صاحبِ قوت کو پکارا۔ دین بدلنے اور اپنے قدیم آباء وقدیم ثقافتی رویوں کو ترک کرنے کے لیے قلب کی باطنی رضامندی درکار ہوتی ہے۔ قلوب کو بدلنا اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں میں بدلنا محض ایسے لوگوں ہی سے ممکن ہے جو اپنے دلوں کی دنیا کو مالک وخالق کی محبت واطاعت سے روشن رکھتے ہیں دنیا کے ہر خطے میں دلوں کی روشنی اور روشن تبدیلی کا فریضہ ان پاکانِ امت نے سرانجام دیا ہے جنھیں علمی وتاریخی زبان میں صوفیائے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جنھوں نے لاکھوں نہیں کروڑوں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ انہی اظہر من الشّمس روحانی ہستیوں میں ایک نام حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کا بھی دنیائے افق پر چمکتا اور دمکتا دکھائی دیتا ہے۔

مقام ومرتبہ

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر اولیاء سے ہیں۔ آپ خطہ پنجاب میں بہت مشہور ہیں۔ آپ سلطان العارفین اور شمس السالکین ہیں۔ آپ بارگاہِ ربُّ العزت اور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کے مقرب اور حضوری تھے اور زہد وتقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کو لوگ صوفی شاعر کی حیثیت سے بھی عظیم مانتے ہیں۔ آپ کے کلام میں ایک روح پرور تاثیر، مٹھاس اور چاشنی ہے۔

پیدائش

آپ 1629ء میں شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے اور یکم مارچ 1691ء بمطابق یکم جمادی الثانی 1102 ہجری کو وصال فرمایا اور 63 برس عمر پائی۔

خاندان

آپ قبیلہ اعوان سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت

علی ؓ کی غیر فاطمی اولاد ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خانوادے سے ملتا ہے۔

مناقبِ سلطانی کے مطابق حضرت سلطان باہو ؒ کے آباؤ اجداد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لے آئے۔ انہوں نے پنڈ دادنخان اور احمد آباد کے گردونواح کے دیہاتوں اور شہروں کے ہندو سرداروں کو شکست دی اور لوگوں میں اسلام کا نور اور پیغام پہنچایا۔

حضرت سلطان باہو ؒ کے والد ضلع جھنگ کے باشندے تھے اُن کا نام بازید اور والدہ محترمہ کا نام بی بی راستی تھا۔ آپ نے چار شادیاں کیں اور آپ کے آٹھ بیٹے تھے۔ سلطان باہو کو اپنی والدہ بی بی راستی سے والہانہ لگاؤ تھا اور اسی لیے انہوں نے اپنی تصنیف ''عین الفقر'' میں اپنا نام باہو ؒ رکھنے پر والدہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حضرت باہو ؒ کے والد ماجد دہلی کے بادشاہ کے منصب دار تھے۔ نہایت نیک متبع سنت، حافظ قرآن اور عالم باعمل بزرگ تھے اور ان کو شورکوٹ ضلع جھنگ میں شاہجہان نے ایک سالم گاؤں قہرگان اور پچاس ہزار بیگھے زمین چند آباد کنوؤں کے ساتھ بطور انعام کے عطا فرمائی۔

بچپن

بچپن ہی سے حضرت باہو ؒ کی پیشانی سے انوارِ ولایت تاباں ونمایاں نظر آتے تھے۔ بچپن میں آپ کے چہرے کے گرد نور کا ایک ہالہ سا تھا۔ جوں جوں اس ہالے کے معجزات سامنے آنا شروع ہوئے تو علاقے کے ہندو متاثر ہونے لگے جن کی درخواست پر آپ گھر پر ہی رہنے لگے۔ آپ جب مریدین سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے تو چہرہ پر ایک نقاب ڈال لیتے تھے کیونکہ آپ کے چہرہ مبارک پر جو جلال و جمال الٰہی کے انوارِ تاباں تھے لوگ ان کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔

فیضِ مصطفوی

ولایت کسبی نہیں وہبی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس پر چاہا اپنی عنایت کر دی۔ حضرت سلطان العارفین مادر زاد ولی تھے۔ آپ کے سنِ بلوغت ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ قصبہ شورکوٹ کے قریب کھڑے تھے کہ اچانک ایک صاحبِ حشمت، صاحبِ نور اور با رعب سوار نمودار ہوا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، پہلے تو آپ ڈرے لیکن کچھ دیر بعد دل کو ٹھہرایا اور جرأت کی اور سوال کیا کہ حضرت آپ کی تعریف کیا ہے اور مجھے کہاں لے جانے کا ارادہ ہے۔

اس پاکیزہ دل سوار نے اپنی زبان درفشاں سے ارشاد فرمایا، میرا نام علی ہے اور میں تجھے حسب الارشاد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مجلس پاک میں لے جا رہا ہوں۔ یہ سن کر آپ مطمئن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو حاضر مجلس کر دیا گیا۔ اس وقت مجلس میں صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی ؓ بھی اہل بیت اطہار کی نورانی مجلس میں حاضر تھے اور پھر یہ تینوں ہستیاں رخصت ہو گئیں اور مجلس میں صرف اہل بیت اطہار ہی رہ گئے۔ کچھ دیر بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں دستِ مبارک میری طرف بڑھائے اور ارشاد فرمایا! میرے ہاتھ پکڑو۔ مجھے دونوں مبارک ہاتھوں سے بیعت اور تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے پکڑنے کی دیر تھی کہ میرے لیے درجات اور مقامات کا کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ لوحِ محفوظ کے تمام پردے اٹھ گئے۔ اول، آخر، ظاہر، باطن ایک جیسا ہو گیا۔ حضرت سلطان باہو ؒ فرماتے ہیں کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ تلقین فرما چکے تو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا نے مجھے فرمایا کہ تو میرا فرزند ہے پھر میں نے حضرت سبطین الشریفین امام السعیدین حضرت امام حسن ؓ اور حضرت امام حسین ؓ کے مبارک قدمین کو چُوما۔ تلقین کے بعد سرورِ دوعالم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ خلقِ خدا سے محبت کرنا کیونکہ تمہارا مرتبہ دن بدن ترقی پر ہوگا اور ابدالآباد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد آقائے نامدار، مالکِ کون ومکان، محبوبِ ربّ دوجہاں ﷺ نے مجھے قطب الاقطاب، غوث الاغیاث، محبوب سبحانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ؒ کے سپرد فرمایا پھر حضرت پیر دستگیر قدس سرہ العزیز نے مجھے سرفراز فرمانے کے بعد خلقت کے لیے ارشاد و تلقین کا حکم دیا۔ حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ سنا ان ظاہری کانوں سے سنا اور بمعہ جسم مجلس پاک میں حاضر ہوا۔ اس روز کے بعد آپ پر ذاتِ الٰہی کے انوار وجذبات اسی طرح متجلی ہونے لگے کہ سینکڑوں آدمیوں کو ایک ہی نگاہ میں ایک ہی قدم پر خدا رسیدہ واصل باللہ کر دیتے تھے چنانچہ لاکھوں طالبانِ حق کی مرادیں آپ کی نظر کرم سے بر آئیں۔ اس فیض یابی کے بعد حضرت سلطان العارفین سلطان باہو ؒ ہر وقت اور ہر گھڑی واحدانیت میں مستغرق حق تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدوں سے مشرف اور ذاتِ مطلق کے جلال و جمال کے دیدار میں مست رہتے تھے۔

تلاش مرشد کامل

حضرت سلطان باہو ؒ اپنی کتب میں فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک مرشد کی تلاش میں رہا مگر مجھے اپنے پائے کا مرشد نہ مل سکا یہ اس لیے کہ آپ فقر کے اُس اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے جہاں دوسروں کی رسائی بہت مشکل تھی۔ اس سے قبل ایک حوالہ قلمبند کر چکا ہوں کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وساطت سے نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے اہل بیت اطہار کی موجودگی میں خود بیعت کر کے حضرت غوث الاعظم کے سپرد کر دیا تھا پھر حضرت عبد القادر جیلانی شہنشاہ بغداد کے حکم پر سلطان باہو ؒ نے دہلی میں حضرت عبدالرحمان جیلانی دہلوی ؒ کے ہاتھ پر ظاہری بیعت کی۔ سخی سلطان باہو ؒ کی والدہ بی بی راستی عارفہ کاملہ تھیں۔ سلطان باہو ؒ کی پیدائش سے قبل ہی بی بی راستی کو ان کے مرتبہ فنافی ہو کے مطابق ان کا اسمِ گرامی باہو الہاماً بتا دیا گیا۔

اتباعِ شریعت

سلطان العارفین نے زندگی بھر کوئی خلافِ شریعت کام نہیں کیا۔ فرض تو فرض ایک مستحب تک نہیں چھوڑا۔ استغراق مراقبہ میں جب کئی کئی ہفتے گزر جاتے تو فارغ ہوتے ہی آپ قضا نماز ادا کرتے۔ آپ فرماتے ہیں: جو لوگ پانچ وقت اللہ کے نام کی پکار پر اس کے دربار میں حاضر ہونے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے، ان کے زبانی دعویٰ محبت کی کیا حیثیت اور حقیقت ہے۔ آپ نے واشکاف الفاظ میں فرمایا

ہر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

ولی را ولی می شناسد کے مصداق آپ کے مقام کا تعین تو کوئی واقفِ حال ہی کر سکتا ہے۔ آپ سرِّ اسم ذات ہو کے مظہر عین ہیں۔

تصنیفات

تواریخ سلطان باہو ؒ کے مطابق آپ نے عربی، فارسی میں 150 کے قریب کتابیں لکھیں۔ ان کی پنجابی تصنیف کے بارے میں کچھ خاص ذکر نہیں ملتا۔ صرف اتنا لکھا ملتا ہے کہ انہوں نے پنجابی زبان میں بھی

اشعار لکھے ہیں ۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک طویل سہ حرفی بھی چھپی ۔ حروف تہجی کے ہر لفظ کے نیچے دو یا چار چھوٹی (ابیات) نظمیں ہیں ۔ ان ابیات کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ہر دو مصرعوں کے آخر میں ''ہُو'' آتا ہے ۔''ہُو'' اللہ کا نام ہے اور اس کا وِرد بہت برکت والا سمجھا جاتا ہے ۔ حضرت سلطان باہو کی ساری کی ساری شاعری بڑی سادہ اور خیالات سے پُر ہے ۔ اس میں کسی قسم کی بناوٹ نہیں ہے ۔

آپ کے تصوف کا نادار، اچھوتا ، جداگانہ اور انمول ہے ۔ آپ نے تصوف کی قدیم اصطلاحوں کو بہت کم استعمال کیا ہے ۔ جو کچھ لکھا باطنی توفیق اور تائید ایزدی سے لکھا ۔ بلا شک وشبہ اس قحط الرجال میں یہ کتابیں مرشدِ کامل کا کام دیتی ہیں ۔ ان کتابوں کی ایک خوبی یہ کہ جو آپ کو شاید ہی تصوف کی کسی اور کتاب میں ملے ، یہ ہے کہ صاحبِ تعلق جو کچھ مطالعہ کرتا ہے وہ سب کچھ خواب میں اس پر منکشف اور وارد ہو جاتا ہے ۔

آپ کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

عین الفقر کبیر، عین الفقر صغیر، عقل بیدار کبیر، عقل بیدار صغیر، کلید التوحید کبیر، کلید التوحید صغیر، مجالسۃ النبی، محبت الاسرار، اسرار قادری، توفیق الہدایت، تیغ برہنہ، مجموع الفضل، محک الفقر الکبیر، محک الفقر الاصغیر، فضل اللقائ، شمس العارفین، رسالہ روحی اور نگ شاہی، امیر الکونین، مفتاح العاشقین، قرب دیدار، نور الہدیٰ، دیوان اردو، دیوان فارسی، دیوان پنجابی وغیرہ۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے جہاں آپ کے غیر معمولی تبحر علمی، غیر معمولی استعداد اور صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ کتابیں ایک سالک راہِ طریقت کے لیے عرفان وہدایت کی ایک گنج گراں مایہ ہیں۔

شاعری

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر بھی تھے ۔ آپ نے اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے اور اپنی شاعری میں عرفان وتصوف کو سمو کر شعر کو ایک نیا آب و رنگ بخشا ہے ۔ شاعری میں لفظ ''ہُو'' کی سرور انگیز تکرار آپ کو دیگر صوفی شعرا میں منفرد مقام عطا کرتی ہے ۔ حضرت سخی سلطان باہو کا کلام جو سمجھ گیا وہ خالق اور مخلوق کے بیچ تعلق کا حقیقی راز پا گیا ۔ آپ ایک ایسے ولی بزرگ ہیں جن کا فارسی اور پنجابی کلام وحدانیت کا نچوڑ ہے ۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفۂ توحید

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا کلام قرآن پاک کی تفسیر ہے ۔ آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی تصویر ہے اور حضرت کا کلام ''سورۃ اخلاص'' کی تفصیل ہے ۔ قُل ھُوَ اللہُ اَحَد آپ فرمائیں اللہ یکتا و یگانہ ہے وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ اس کی ذات محض واحد نہیں بلکہ ''احد'' ہے ۔ وہ کسی بھی شائبہ سے پاک ہے ۔ اس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

احد جد دِتی وکھا لی
از خود ہویا فانی ہو
قرب ، وصال ، مقام نہ منزل
نہ اوتھے جسم نا جانی ہو
نہ اوتھے عشق محبت کائی
نہ اوتھے کوئی مکانی ہو
عینوں عین تھیو سی باہو
سرّ وحدت سجانی ہو

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ توحید کے علم بردار تھے ۔ آپ کی پہچان ، آپ کا تخلص، آپ کا نام ، آپ کا اوڑھنا بچھونا، آپ کا عشق، یقین، ایمان ، وجدان سب کچھ آپ کی ''ہُو'' میں پنہاں تھا ۔ نام اللہ کی ''ہُو'' کلمہ طیبہ کی روح ہے ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل الذکر لا الہ الا اللہ'' ہے ۔ کلمے کو صوفیا کی زبان میں نفی اثبات (نہ ہونا اور ہونا) بھی کہا جاتا ہے ۔ حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ نہایت دلفریب انداز میں فرماتے ہیں :

کلمے نال میں نہاتی دھوتی ، کلمے نال ویاہی ہُو
کلمے میرا پڑھیا جنازہ ، کلمے گور سہائی ہُو
کلمے نال بہشتی جاناں ، کلمہ کرے صفائی ہُو
مڑن محال تنہاں نوں باہو، جنہاں صاحب آپ بلائی ہُو

لا الہ الا اللہ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے)

حضرت باہُو نے کلمے کا مفہوم آسان زبان میں اپنے کلام کے ذریعے عوام الناس تک پہنچا دیا ہے کلمے کو توحید کہا جاتا ہے اور کلمہ ہی داخلِ اسلام کی پہلی اور آخری شرط ہے حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الف اللہ چنبےدی بُوٹی، میرے من وچ مرشد لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہُو

صوفیاء کرام وحدانیت کے سخت پابند تھے ۔ شرک کے شدید مخالف تھے ۔ حضرت سلطان العارفین کا کلام توحید پر مبنی ہے ۔ شرک کے خلاف جہاد ہے ۔ حضرت فنا فی اللہ تھے ۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ مسلمان اور مومن میں کیا فرق ہوتا ہے ۔ بزرگ نے جواب دیا کہ مسلمان ''اللہ کو مانتا'' ہے اور مومن ''اللہ کی مانتا'' ہے ۔ اللہ والوں کی توجہ سے قربِ الٰہی ملتا ہے ۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہی شرک نہیں ، دنیا والوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونا ، ان سے توقعات اور امیدیں وابستہ کرنا ، ان پر توکل کرنا ، ان سے ڈرنا ، ان کی خوشی کی خاطر ایمان کا سودا کرنا ، یہ سب بھی شرک ہے ۔ اللہ والے صرف توحید کی بات کیا کرتے ہیں ۔ حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک ایک حرف عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے ۔ ''ہُو'' آپ کے سانسوں میں پھول میں خوشبو کی طرح رچ بس چکی تھی ۔

جنہاں عشق حقیقی پایا ، موہوں نہ کجھ الاون ہُو
ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں ، دم نوں قید لگاون ہُو

اللہ والوں نے قربِ الٰہی کے لیے عمریں لگا دیں اور پھر کہیں جا کر انہیں تقرب نصیب ہوا ۔ آج بندے چار کتابیں پڑھ کر عالم اور صوفی بننے کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور بلا خوف جب چاہیں دوسروں پر لعن طعن شروع کر دیتے ہیں ۔ اِس لا علاج طبقے کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں :

تسبیح پھری تے دل نئیں پھریا
کی لینا تسبیح پھڑ کے ہُو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا
کی لینا علم نوں پڑھ کے ہُو

اولیاء اللہ کی درگاہوں پر جانے والے بھی اللہ کو واحد، احد اور لاشریک مانتے ہیں اور حلفاً اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب تسلیم نہیں کرتے ۔ شرک صرف خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا ہی نام نہیں ، اس کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں شرک کے زمرے میں شامل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا ہے کیا آپ ایسے شخص کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں یا آپ گمان کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھ رکھتے ہیں؟ نہیں ہیں وہ مگر جانوروں کی طرح بلکہ راہِ راست پر چلنے کے لحاظ سے وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں ۔ (سورۃ الفرقان آیت 44,43) تذکرہ سے ماخوذ ہے کوئی اس زمانے میں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ خواہشِ نفس کا غلام نہیں ہے؟ علما، مشائخ ،

زہد وتقویٰ کے دعویدار، مفتی، مبلغین الغرض عوام الناس سے خاص تک ہر شخص نے کسی نہ کسی درجے پر خواہش نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ خودنمائی، خود پرستی اور خوش فہمی کے ''شرک'' کی اس قسم میں ہر شخص مبتلا ہے سوائے اولیاء اللہ کے۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں انسان کے اندر کی ''پلیدی'' کو بے نقاب کیا ہے۔ آپ نے نام نہاد عالموں اور زاہدوں کی قلعی کھول دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اللہ پڑھیوں ، پڑھ حافظ ہوئیوں
ناں گیا حجابوں پردہ ہُو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہوویوں
طالب ہوویوں زردا ہُو
سیہہ ہزار کتاباں پڑھیاں
پر ظالم نفس نہ مردا ہُو
باجھ فقراں کسے نہ ماریا باہو
ایہو چور اندر دا ہُو

وصال

حضرت سلطان العارفین نے یکم جمادی الثانی 1102ھ داعی حق کو لبیک کہا۔ آپ کو شورکوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے موضع قہرگان کے قلعہ میں دفن کیا گیا لیکن دریا کے بڑھ آنے کی وجہ سے اور مزار مبارک کو طغیانی کا خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے آپ کے جسدِ مبارک کو وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ 1180 ہجری کا ہے لیکن 1336 ہجری میں جب کہ حضرت شیخ حاجی سلطان نور احمد کی سجادگی کا زمانہ تھا پھر مزار مبارک کو دریا کی طغیانی کا خطرہ لاحق ہوا تو جسدِ خاکی وہاں سے منتقل کر کے اس جگہ دفن کیا گیا جہاں اب آپ کا مزار مبارک مرجع خاص وعام ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ صاحبزادے تھے:

1) شیخ سلطان نور محمد 2) سلطان ولی محمد
3) سلطان لطیف محمد 4) سلطان صالح محمد
5) سلطان اسحاق محمد 6) سلطان فتح محمد
7) سلطان شریف محمد 8) سلطان حیات محمد

سلطان حیات محمد نے بچپن میں ہی وفات پائی۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

بقیہ: حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم

عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کاش، خلافت قاسم کے لیے ہوتی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر خلافت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنا دیتا۔

علامہ ابن سعدان کو ورع عجلی خیار تابعین میں اور ریل صالح لکھتے ہیں

ابن حبان ان کو سادات تابعین میں اور افضل زمانہ میں شمار کرتے ہیں۔

عالم پیری میں بھی رمی جمار کے لیے پاپیادہ جاتے تھے۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کا بیان ہے کہ قاسم جب زیادہ ضعیف ہو گئے تھے اس وقت وہ اپنی اقامت گاہ سے منیٰ تک سواری پر آتے، پھر یہاں سے جمار تک پا پیادہ جاتے تھے، رمی کرنے کے بعد مسجد تک پیدل واپس آتے تھے، پھر یہاں سے سوار ہو کر گھر واپس جاتے۔

سلیمان بن قیتبہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبید اللہ نے عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کے پاس میرے ہاتھ ایک ہزار دینار بھیجے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لے لیا اور شکریہ ادا کیا کہ عمر بن عبید نے صلہ رحم سے کام لیا، اس وقت مجھ کو اس کی ضرورت تھی لیکن قاسم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وفات

باختلاف روایت 107ھ یا 108ھ میں انتقال کیا کفن کے متعلق وصیت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں، اسی میں کفنایا جاؤں، اس میں قمیص، ازار اور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں، آپ کے صاحبزادے نے کہا کیا آپ اور دو نئے کپڑے پسند نہیں کرتے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے، مردوں کے مقابلہ میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے ان وصایا کے بعد قدید میں انتقال کیا اور اس سے تین میل کے فاصلہ پر مقام مشلل میں سپرد خاک کیے گئے، انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی۔

حلیہ ولباس

آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، سر اور داڑھی میں حنا کا خضاب کرتے تھے، چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے، جس پر ان کا نام کندہ تھا، لباس نفیس اور خوش رنگ استعمال کرتے تھے، جبہ، عمامہ اور رداء وغیرہ سارے کپڑے عموماً خز کے ہوتے تھے، خز کے علاوہ اور قیمتی کپڑے بھی استعمال کرتے تھے، چادر بوٹے دار اور رنگین ہوتی تھی، عمامہ سپید ہوتا تھا، زعفرانی رنگ زیادہ پسند خاطر تھا کبھی کبھی سبز بھی استعمال کرتے تھے۔

چند اقوال

۞ اللہ کے حق کو پہچاننے کے بعد جاہل بن کر زندگی گزارنا بہتر ہے اس سے کہ وہ ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔

۞ صحابہ کرام کا اختلاف امت کے لیے رحمت ہے

۞ آدمی کی اپنی عزت کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے احاطہ علم سے باہر کوئی بات نہ کرے۔

۞ اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:
بیٹے! ان چیزوں کے بارے میں حلفیہ گفتگو نہ کرو جن کا تمھیں علم نہ ہو۔

۞ نئے کپڑے کا میت سے زیادہ زندہ محتاج ہوتا ہے۔

یحیٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے قاسم بن محمد کو فرماتے سنا:

لأن يعيش الرجل جاهلاً بعد أن يعرف حقّ الله عليه خير له من أن يقول ما لا يعلم.

(سير اعلام النبلاء، ج: ۵، ص: ۵۷، تهذيب الكمال، ج: ۲۳، ص: ۴۳۳)

۞ آدمی کا اپنے اوپر اللہ کا حق جان لینے کے بعد جاہل رہ کر زندگی گزارنا بہتر ہے۔ اس بات سے کہ وہ ایسی بات کہے جو وہ نہیں جانتا ہے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے روایت کی۔ فرمایا کہ قاسم کے پاس امرائے مدینہ میں سے ایک شخص آیا اور کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

إنّ من إكرام المرء نفسه أن لا يقول إلاّ ما أحاط به علمه.

(سير اعلام النبلاء، ج: ۵، ص: ۵۷، تهذيب الكمال، ج: ۲۳، ص: ۴۳۴)

انسان کی عزت نفس سے ہے کہ وہ کوئی بات نہ کہے۔ مگر جس کو اس کا علم محیط ہو۔ (جسے وہ خوب جانتا ہو)۔

حجۃ الاسلام

حضرت مولانا حامد رضا خان قادری قدس سرہٗ

احوال و آثار اور شخصیت و خدمات

ملک محبوب الرسول قادری

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان بریلوی قدس کی شخصیت سارے عالم اسلام میں معروف اور ممتاز مقام کی حامل ہے ان کی دینی، علمی، تبلیغی، فقہی، تدریسی، تصنیفی و تالیفی خدمات اور ایک جہان گواہ ہے آپ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے فرزند اکبر ہیں آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول 1392ھ میں اپنے دادا جان حضرت مولانا مفتی نقی علی خان بریلوی رحمہ اللہ کے گھر محلہ سوداگران بریلی شریف (یوپی) میں ہوئی۔ تاریخی نام محمد رکھا گیا اور محبت کے علم الاعداد کے اعتبار سے لفظ محمد کے اعداد 92 ہیں یوں 92ھ آپ کا سن ولادت ہے جبکہ پکارنے کے لیے عرفی نام حامد رضا رکھا گیا جبکہ حامد رضا کے اعداد 1362 بنتے ہیں اور یہی آپ کا سن وصال مبارک ہے 1362ھ۔

آپ کے خطابات میں شیخ الاسلام، سند المفسرین، عمدۃ المحدثین، عظیم المرتبت، سند الاتقیا، آحسن العلماء، نائب اعلیٰ حضرت، پیشوا زمن، شیخ الادب، فخر الاماثل اور سلطان المناظرین شامل ہیں، اپ زمینداری کے شعبہ سے وابستہ رہے اور گھڑ سواری اپ کا شوق تھا اچھی نسل کے گھوڑے آپ کے ہاں رکھے جاتے تھے کئی دفعہ بکاؤ گھوڑا لے کر آنے والا سائل اپنی منہ مانگی رقم لے کر گھوڑا آپ کے ہاتھوں فروخت کر کے جاتا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی، مکہ مکرمہ میں الشیخ محمد سعید بابصیل، مدینہ منورہ میں الشیخ سید احمد برزنجی، علامہ خلیل خربوطی جیسی مقتدر شخصیات شامل ہیں جب کہ آپ کو اپنے زمانے کے عظیم روحانی پیشوا حضرت سید ابو الحسین احمد نوری سے شرف بیعت حاصل ہے۔

ہندوستان میں مالیگاؤں شہر کے معروف محقق محمد حسین مشاہد رضوی کے مطابق آپ کو اردو نظم و نثر کے علاوہ عربی اور فارسی نثر اور نظم پر بھی کمال حاصل تھا آپ کی عربی دانی کے کئی واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ دوسرے حج و زیارت 1342ھ کے موقع پر آپ کی عربی دانی کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ دباغ اور سید مالکی ترکی نے یوں خراج تحسین پیش کیا۔ ہم نے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں حجۃ الاسلام جیسا فصیح و بلیغ دوسرا نہیں دیکھا جسے عربی زبان میں اتنا عبور حاصل ہو اسی طرح اعلیٰ حضرت کی کئی عربی کتابوں کا تعارف بھی آپ نے عربی میں قلم بند فرمایا نیز عربی کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ علاوہ ازیں آپ نے تصنیفی خدمات بھی انجام دی آپ کی کئی علمی یادگاریں اہل ذوق کے لیے باعث مطالعہ ہیں۔

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، یہ قادیانیوں کے رد میں علم اسلام کا پہلا رسالہ ہے جو حجۃ الاسلام ہی کے قلم حق رقم سے نکلا حاشیہ ملا جلال، مقدمہ الاجازۃ المتنیہ، نعتیہ مجموعہ، مجموعہ فتاوی اور بیشتر کتب پر تقاریظ آپ نے قلم بند فرمائیں۔ قادیانی تحریک، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک شدھی، تحریک ہجرت، تحریک مسجد شہید گنج وغیرہ میں بھی آپ نے بھرپور عملی کردار ادا کیا۔ آپ ایک بیدار مغز شعوری عالم دین اور باعمل شیخ طریقت تھے 1935ء (بمطابق 1354ھ) میں منعقدہ الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ مراد آباد کے تاریخی اجلاس میں آپ کا تاریخ ساز فاضلانہ خطاب جہاں قوم کی انتہائی نازک مرحلے میں راہنمائی کرتا ہے وہاں آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار بھی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد خطبہ تھا اور واقعی ملت اسلامیہ کی فوز و فلاح کا کامیاب دستور العمل ہے فرمایا: ہمارا ذریعہ معاش صرف نوکری اور غلامی ہے اور اس کی بھی یہ حالت ہے کہ ہندو نواب مسلمانوں کو ملازم رکھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ رہیں گورنمنٹ کی ملازمتیں، ان کا حصول طول امل ہے۔ اگر رات دن کی تگ و دو اور انتھک کوششوں سے کوئی معقول سفارش پہنچی تو کہیں امیدواروں میں نام درج ہونے کی نوبت آئی ہے۔ برسوں بعد جگہ ملنے کی امید پر روزانہ خدمت مفت انجام دیا کرو، اگر بہت بلند ہمت ہوئے اور قرض پر بسر اوقات کر کے برسوں کے بعد کوئی ملازمت حاصل کی بھی تو اس وقت تک قرض کا اتنا انبار ہو جاتا ہے کہ جس کو ملازمت کی آمدنی سے ادا نہیں کر سکتے۔

(خطبہ حجۃ الاسلام: 51/52)

آپ نے اپنے اسی خطبہ صدارت میں تعلیم و تربیت نسواں کی اہمیت پر زور دیا۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے آپ کے حوالے سے جو تاثر دیا وہ بڑی گواہی ہے فرمایا: عربی زبان کا ماہر میں نے حجۃ الاسلام جیسا نہیں دیکھا۔ (خلفائے اعلیٰ حضرت: 238)

آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، تحفہ حنفیہ، الدولۃ المکیہ کی تمہید، کفل الفقیہ المفاہیم کی تمہید، الاجازۃ المتینہ کی تمہید، الدولۃ المکیہ کی تبییض، الوظیفۃ الکریمہ کی تمہید، کنز المصلی پر حاشیہ، ماہ نامہ یادگار رضا کے لیے تحریریں، تعارف اجلی انوار الرضا وغیرہ یادگار ہیں حضرت شیخ سید حسین دباغ اور الشیخ السید مالکی ترکی کے اقوال تجلیات حجۃ الاسلام میں مرقوم ہیں کہ ہم نے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں مولانا محمد حامد رضا خاں جیسا فصیح و بلیغ دوسرا نہیں دیکھا جسے عربی میں اتنا عبور حاصل ہو۔ حضرت مولانا شاہ سراج الدین سلامت اللہ نقشبندی رامپوری کا قول تذکرہ جمیل میں یوں درج ہے کہ حضرت مولانا (احمد رضا خان) کے فیضان کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ ان کے فرزند ارجمند (مولانا حامد رضا خان) صاحب ہمت بلند، جامع انحا سعادت، ماحی بدعت، حامل لوائے شریعت، قرت عین العلماء حامل رضا خان صاحب طول عمرہ و زید قدرہ نے ایک مدرسی خاص اہل سنت کے بنام۔ منظر اسلام .. بنیاد ڈالی جس کی صرف بریلی والوں کے نہیں بلکہ تمام اہل سنت ہندوستان کے واسطے اشد

ضرورت تھی۔

معمار پاکستان حضرت امیر ملت مولانا پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی خدمت میں ایک ارادت مند نے عرض کیا کہ میرا تبادلہ ہندوستان کے صوبہ یوپی میں ہو گیا ہے اب آپ سے اجازت اور دعا کے لیے حاضر ہوا ہوں۔آپ نے دعائے خیر فرما کر نصیحت فرمائی کہ ''یوپی کے شہر بریلی میں وقت کے قطب حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان موجود ہیں آپ وہاں اپنی حاضری کا معمول بناؤ اور ان سے دعا لیا کرو''۔ یہ روایت جانشین نباض قوم حضرت علامہ صاحبزادہ محمد داؤد رضوی نے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص شیخ الحفاظ الحاج حافظ بشیر احمد نقشبندی جماعتی کے حوالے سے بیان کی۔

معروف مصنف و مترجم حضرت شمس الحسن شمس بریلوی رحمہ اللہ نے لکھا کہ آپ نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے سرخ وسفید چہرہ پر سفید ریش اور آپ کا قد بالا، ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں پہچان لیا جاتا۔ نامور ادیب اور محقق حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی رقم طراز ہیں کہ حجۃ الاسلام بلند پایہ خطیب، مایہ ناز ادیب اور یگانہ روزگار، عالم و فاضل تھے آپ اپنی مثال آپ تھے ہی مگر تقریر میں بھی ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا پاک و ہند کے بہت سے شہروں میں آپ نے تقریر فرمائی۔عقائد کی اصلاح اور ایمان کی حرارت پیدا کرنے کی بھر پور سعی فرمائی۔

(خلفائے محدث بریلوی:64)

حضرت حجۃ الاسلام کے تبلیغی دوروں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے عصر حاضر میں معروف قلم کار اور ہمارے عزیز دوست میاں محمد صادق قصوری نے انوار امیر ملت میں حضرت حجۃ الاسلام کے دورہ لاہور کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام کا لاہور میں قیام عموماً حضرت شاہ محمد غوث قادری کے مزار پر انوار پر ہوتا لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں یہاں حاضر ہوتے باور خوب خوب استفادہ کرتے، آپ کے مرید ہوتے، علماء آپ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں ماذون ومجاز ہوتے، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد لاہوری کو بھی آپ نے ماذون ومجاز فرمایا۔ 1923ء میں امتحان کے لیے جامعہ نعمانیہ میں 1934ء میں حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب محدث الوری (امیر: انجمن حزب الاحناف لاہور) کے عرس چہلم میں لاہور تشریف فرما ہوئے، اس کے علاوہ آپ برابر 1926ء سے 1934ء تک جامعہ حزب الاحناف کے جلسے کی صدارت کے لیے لاہور آتے رہے اور فیصلہ کن مناظرہ پر آپ کا یہ سفر لاہور اپنے حسن اختتام کو پہنچا۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان قدس سرہ العزیز علماء قدیم کی عظیم یادگار اور اکابر اولیاء کے منہج پر قائم و برقرار، صاحب کرامت ولی کامل تھے۔17 جمادی الاول 1362ھ بمطابق 23 مئی 1943ء کو 70 برس کی عمر میں آپ کا وصال ہوا، آپ اس وقت نماز عشاء میں مصروف تھے اور حالت قعود میں کلمات تشہد و درود وسلام پڑھ رہے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نماز جنازہ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی رحمہ اللہ نے پڑھائی۔۔ دنیا بھر میں آپ کا سالانہ عرس مبارک 17 جمادی الاول کو منایا جاتا ہے۔

والدین کے آداب

تبصرہ و تذکرہ میں سورۂ بنی اسرائیل سے ایک اقتباس

(1) والدین کی خدمت گزاری موحّدین کی صفت ہے

(2) والدین کی خدمت کا حکم حتمی اور قطعی ہے جس میں ترمیم نہیں ہوسکتی

(3) والدین کا احترام لازم ہے، آداب اتنے کڑے ہیں کہ ان کے سامنے اف تک نہیں کی جاسکتی

(4) والدین کے ساتھ حسن سلوک انسانی فریضہ ہے اسے بہر حال پورا کرنا لازم ہے

(5) نئی نسلیں پرانے بزرگوں سے ربط قائم کر کے ہی پروان چڑھ سکتی ہیں

(6) مزیدار بات یہ ہے کہ ماں باپ پر انفاق کا حکم نہیں دیا گیا احسان کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ ادب، آموزش، اطاعت، شکر اور نگہبانی سب احسان میں شامل ہوتے ہیں، مال تو ہوتا ہی باپ کا ہے اس لیے حکم احسان کا ہے

(7) احسان کا حکم اولاد کو ہے والدین کو نہیں اس لیے کہ ان کے دلوں میں اولاد کی محبت فطرتاً موجود ہوتی ہے

(8) والدین کے سامنے عاجزی سے پیش آنا چاہیے، ''وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ'' کا مفہوم یہی ہے۔ اشارۃً بھی کوئی بات خلاف احترام نہیں ہونی چاہیے

(9) ''قَوۡلًا كَرِيۡمًا'' کا معنیٰ گفتگو میں الفاظ کا صحیح چناؤ ہے، لہجہ کا نرم رکھنا ہے اور آنکھوں کو شوخی سے بچانا ہے

(10) والدین کے لیے رحمت کی دعا ضروری ہے اس سے یہ امر آشکار ہوتا ہے کہ انہیں ماں باپ کے پالنے کا احساس ہے

(11) دعا کرتے ہوئے اللہ کے لیے ربّ صفت لانا محمود ہے

(12) خدا کے نظام ربوبیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے

(13) ماں باپ کے دوستوں کا احترام بھی ضروری ہے

(14) باپ کے قرضے اتارنے کی تگ و دو کرنی چاہیے

(15) بچپن کی تلخیاں جو پروان چڑھتے ہوئے پیش آئی ہوں اس تاریخ کو بھی یاد کرنا چاہیے

(16) والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کی پرورش اساس محبت پر کریں تا کہ بچوں کا احساس اُس رحمت اور محبت کو محسوس کرے

(17) مربی کا شکر ادا کرنا قرآنی ادب ہے۔

منجانب: سید فضل حسین شاہ، ملک محمد سجاد

مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ ترتیب و تدوین پیر محمد محی الدین سید کامران علی بخاری الحسینی (وڈپگہ شریف پشاور)

قسط نمبر 2

سید کامران بخاری

گیارھواں خط

آپ کا فرزند قلبی ہونا قائم رہے (صرف سالک کے لیے) علم خلافی علم فلسفہ علم نجوم وطب وعلم شعر اور یہ مثنویاں اور بڑی داستانیں اور چھوٹے قصے اور اس قسم کی حکایات کے پیچھے لگ جانا یہ سب کچھ زندگی کو ضائع کرنا ہے۔ (جب تک ان علوم کو اللہ رسول اور دین اسلام کے تابع نہ کرلیا جائے)

کہ ان تمام علوم کے حاصل کرنے سے آخرت میں تھوڑا سا بھی ثواب نہیں ملے گا، یہ تمام علوم نفس اور خواہش کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جتنا ہو سکے ان سے بچو۔

(حضرت کا یہ ارشاد ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف حصول دنیا کے لیے ان علوم کو حاصل کرتے ہیں۔ اگر خدمت خلق کا جذبہ ہو تو ان میں سے بعض علوم پڑھنا آخرت میں اجر رکھتا ہے)

یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دل کو تمام میلوں سے پاک رکھے، صرف تیرے ظاہر کو سنوار دینا کچھ فائدہ دینے والا نہیں ہوگا۔ جیسے کہ بیان کیا جاتا ہے:

حکایت

ایک دن میں مکہ شریف میں تھا، میری ملاقات حضرت عیسی علیہ السلام کی امت کے ایک شخص سے ہوئی میں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہے۔ میں نے لے کر جب اس کو کھولا تو اس میں لکھا دیکھا:

کہ ایمان دار کے جان دینے کے وقت سے لے کر دفن کرنے کے وقت تک حق تعالیٰ جو کہ کرم کرنے میں غرض سے پاک ہے اور نطق میں زبان کا محتاج نہیں، ارشاد فرماتا رہتا ہے

”اے میرے بندے تو نے ساٹھ سال (پوری زندگی) ظاہر کو سنوارنے اور آراستہ کرنے میں گزار دی جو کہ مخلوق کی نظر گاہ ہے اور دل کو پاک کرنے میں ایک گھڑی بھی مشغول نہ ہوا جو میری نظر گاہ ہے“۔

لیکن دوسرے ایمان داروں کو گناہ کی وجہ سے سنائی نہیں دیتا۔ (یعنی گناہوں سے پاک لوگ اس کو سنتے ہیں) اور نیز توریت میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے:

”اے میرے بندے تُو کیا کر رہا ہے میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تُو غیر کی طرف مشغول ہے“۔

اے فرزند قلبی حق تعالیٰ کے کام میں مشغول ہو جا تا کہ مخلوق تیرے لیے غلاموں کی طرح ہو جائے (یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت کو ڈال دیتا ہے) اور مقصود تجھے حاصل ہو جائے گا۔ پس نیک عمل کر۔

بارھواں خط

فرزند (قلبی) ہونا قائم رہے! ایسا علم واطاعت جو آج تم کو گناہوں سے بچا نہ سکیں اور اطاعت، عبادت، مجاہدہ اور نیکیوں پر نہ لگا سکے اور شریعت کے موافق تجھے حکم نہ دے۔ یقین اور تحقیق کے ساتھ اس بات کو جان لے کہ اس طرح کا علم، اطاعت اور عبادت تجھ کو کل قیامت کے دن کچھ بھی عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔

جس طرح کہ حدیث پاک میں ہے:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”وہ شخص جس کو اس کی نماز فحاشی و برائی سے نہیں روکتی اس کو اللہ سے دوری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

علماء کبار غفر اللہ تعالیٰ لھم سے یہ منقول ہے کہ علم بغیر عمل کے بیگانگی (بے کار) ہے اور عمل بغیر علم کے دیوانگی ہے جب تک ہو سکے عمل میں کوشش کرو۔

تیرھواں خط

آپ کا فرزند (قلبی) ہونا قائم رہے! وہ علم جس پر تُو عمل نہیں کرتا، اور جس کے ساتھ تُو زمانے کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ یقین ہے کہ قیامت کے دن وہ تجھے کچھ فائدہ نہ دے گا اور یہ کہنا کہلانا اسی جہاں میں رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

”اپنے رب کے رو برو سر جھکائے کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار بس اب ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے سو ہمیں پھر (دنیا میں) بھیج آئندہ نیک کام کریں گے“۔

پس جب کہ آج کے دن تُو نے عمل کی فرصت و مہلت پائی ہے۔ چاہیے کہ ہمیشہ پوری کوشش کے ساتھ عمل کرو کہ وہ نیکی طاعت وعبادت کا ذخیرہ آخرت میں چھٹکارے کے اعتبار سے باقی رہے گا۔

اے بیٹے کوشش کرو اور اچھے عمل کرو اور اللہ پاک توفیق دینے والا ہے۔

چودھواں خط

میرے مقرر کردہ فرزند! دنیا میں غریب کی طرح زندگی بسر کرو یا راہ گیر کی طرح اور خود کو اصحاب قبور سے شمار کر دو اور ہمت ہو یا نہ ہو سالک کو چاہیے کہ عمل کرنے میں جان کی بازی لگا دے تا کہ عمل صالح کی جھلک نظر آئے۔ (یعنی عادت بن جائے)

اس لیے کہ دوست اور ساتھی قبروں میں تیرے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ پس آج کے دن عمل کا زادِ راہ لے لے۔ قبر کی منزل میں جو کہ دنیا کی سب سے آخری اور قیامت کی سب سے پہلی منزل ہے تجھے کام آئے۔

حدیث پاک میں ہے:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”قبر دنیا کی منزلوں میں آخری منزل اور

آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے''۔
کہ قبر کی تنگ جگہ میں سوائے نیک عمل کے کچھ کام نہ آئے گا اور نیک عمل کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا اور تمہارا عمل قیامت کے دن تک تیرے ساتھ ہوگا، چاہے وہ عمل اچھا ہو یا برا۔ (وہ تمہارے ساتھ ہوگا)

ہر حال میں مومن سے مقصود نیک عمل ہے تاکہ اس کی وجہ سے آخرت میں نجات پائے گا اور نیک عمل اخلاص کے ساتھ ہو یعنی دنیاوی غرض اور دکھاوے سے پاک ہو ورنہ عمل کی ظاہری صورت کچھ کام نہ آئے گی۔
(یعنی جو عمل دنیاوی غرض یا دکھاوے کی خاطر ہو آخرت میں اسکا کچھ فائدہ نہ ہوگا)

فارسی شعر کا ترجمہ:

''اے بلند آواز نقارے جس کا باطن خالی ہے یعنی اے وہ فقیر صورت جس کا باطن درویشی سے خالی ہے بغیر زادِراہ کے سفر کے وقت تُو کیا تدبیر کرے گا۔ اگر تُو مرد ہے تو لالچ کا چہرہ مخلوق سے پھیر لے اور ہزاروں دانوں کی تسبیح ہاتھ پر مت لپیٹ یعنی اس کے لپیٹنے کی ضرورت نہیں''۔
(گلستان سعدی۔ باب ہفتم۔ درتاثیر تربیت)

بزرگوں نے فرمایا ہے:
''یہ جسم پرندوں کا پنجرا یا جانوروں کا اصطبل ہے''۔
اے عقل مند انسان اپنے اندر غور و فکر کر، تُو کب تک زندہ رہے گا۔ تُو گھونسلے کے پرندے کی طرح ہے جس وقت کہ ارجعی کے نقارے کی آواز سنے، چاہیے کہ جلدی سے پرواز کرے اور بلندی پر بیٹھ جا ورنہ عیاذ باللہ اگر تُو اس ندا سے رہ گیا۔ پس تُو چوپایوں میں سے ہو جائے گا بلکہ ان سے بھی زیادہ بروں میں سے ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
''وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں''۔

حق تعالیٰ کی مہربانی بندہ پر اس وقت ہوتی ہے جب بندہ اس کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے اور یہی اصول مجازی بادشاہوں کا بھی ہے۔

حکایت

کسی زمانے میں خراسان میں ایک بادشاہ تھا۔ اس نے ایک دن ایک شخص کو بہت سی خلعتوں (انعام و اکرام) سے نوازا۔ وہاں ایک درویش غور و فکر کے ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس درویش نے کسی سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کو بادشاہ اتنی پوشاکوں (انعام و اکرام) سے مشرف کر رہا ہے، لوگوں نے جواب دیا کہ ''اس شخص نے بادشاہ کی رضا کے موافق کام کیا ہے اس وجہ سے انعام حاصل کر رہا ہے۔

یہ بات سن کر درویش بے ہوش ہوگیا، جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے پوچھا: کیا وجہ تھی کہ اس بات پر تم بے ہوش ہوگئے۔

درویش نے جواب دیا کہ اس شخص نے بادشاہ مجازی کی رضا کے مطابق کام کیا ہے تو آج اتنی خلعتوں سے نوازا گیا ہے اگر ایمان دار زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے کی رضا کے مطابق کام کرے گا، تو تجھے خبر ہے کہ وہ دونوں جہانوں کی کتنی سعادتیں پائے گا۔

پس واضح ہو گیا ہر حال میں بندہ سے عمل مطلوب ہے تاکہ وہ ربّ الارباب (جو پالنے والوں کا پالنے والا ہے) کو پیارا ہو جائے۔

پندرہواں خط

آپ کا فرزند قلبی ہونا قائم رہے! اگر مومن کو محض علم کفایت کرتا اور علم کی حاجت نہ ہوتی تو ندائے ''ہل من تائب'' (ہے کوئی توبہ کرنے والا) کی نداو خطاب ''ھل من مستغفرِ'' (اور ہے کوئی استغفار کرنے والا) کا خطاب و نوید، ''ہل من سائل'' (ہے کوئی مانگنے والا) کی خوشخبری بے مقصد ہوتی اور یہ خلعت (انعام) امت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق میں مخصوص ہے۔ تو جان کہ سحری کے وقت عبادت کرنے والوں کے فضائل قرآن و حدیث میں بہت زیادہ آئے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے''۔

(سورہ الذاریات 71-81)

اگرچہ عبادت کرنے والے پر حق تعالیٰ کی عبادت کرنا فرض ہے لیکن اوقات میں سحر کے وقت کے بارے میں فضائل بہت زیادہ ہیں۔ سحر کے وقت کا پانے والا خلق کے دل و جان میں محبوب اور جناب حق کی بارگاہ میں مقبول ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ تمام مسلمانوں کو توفیق دے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک دن سید الانبیاء ﷺ کی مجلس شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا، تو نبی پاک ﷺ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا:

''وہ بہت اچھے انسان ہیں جو رات کو نماز پڑھتے ہیں، سحر کے وقت قیام کرتے ہیں اور دن میں نیک عمل کرتے ہیں''۔

مشائخ کے اقوال میں سے ہے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) زیادہ سونے کی وجہ سے مومن کو کل (قیامت کے دن) عتاب ہوگا۔

اللہ عز وجل سے نقل کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے):
''جو شخص ساری رات سویا رہتا ہے وہ میری جنت کے لائق نہیں اور نبی ﷺ سے مروی ہے، ''رات کے وقت زیادہ سویا نہ کرو! کیونکہ رات کے وقت زیادہ سونا، سونے والے کو قیامت کے دن نیکیوں سے خالی کر کے چھوڑے گا''۔

حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، رات کا پہلا حصہ دن کو چھپ کر رہنے والے جانوروں کے لیے ہے جیسے سانپ، گیدڑ، اُلّو اور ان جیسے جانوروں کے لیے ہے اور دوسرا حصہ سرکش جنوں اور پریوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ فرشتوں کے لیے ہے اور چوتھا حصہ فرمانبردار مومنوں کے لیے ہے۔

امام قفال شاشی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ جو شخص رات کو پہلے اللہ کی فرمانبرداری میں جاگتا رہے اور سحر کے وقت سو جائے اس کی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔
(یہ درجہ مقربین کا ہے اور ثواب کے ضائع ہونے سے مراد مقربین کے درجہ کا ثواب ہے)

چاہیے کہ اے فرزند عمل میں لگے رہو کہ کل قیامت کے دن مددگار عمل ہے اور عذاب سے چھٹکارا دلوانے والا ہے۔

پس جو کوئی عمل میں کوتاہی کرتا ہے پل صراط سے گزرتے وقت اس کے (برے) کام اس کے لیے رکاوٹ بن جائیں گے۔

عین المعانی میں ہے حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ (اللہ ان کی قبر کی مٹی کو خوشبودار کرے) فرماتے ہیں کہ صبح صادق کے وقت میں موسم بہار کی خاصیت ہے کیونکہ رات ٹھنڈی اور تر ہے اور یہ خاصیت موسم سرما کی ہے اور دن گرم و خشک ہے اور یہ خاصیت موسم گرما کی ہے لیکن صبح ان دو وقتوں (سرد اور تر اور خشک اور گرم) کے درمیان ہے۔

جس طرح کہ بہار موسم سرما اور گرما کے درمیان ظاہر ہوتی ہے اور جس قدر سبزہ و پھول گرمی وسردی میں اگتے ہیں اتنے ہی موسم بہار کے ایک ہی وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ زیادہ درست جاننے والا ہے۔

سولہواں خط

آپ کا فرزند قلبی ہونا قائم رہے! بندہ جس قدر رات اور دن میں اطاعت کرنے سے ثواب پاتا ہے، رات کے آخری حصہ میں سحر کے وقت کو جاگنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دن اور رات میں کی گئی اطاعت کے برابر ثواب پالیتا ہے۔ پس چاہیے کہ صبح کے وقت کی اطاعت اور عبادت کو غنیمت سمجھے۔

پس تُو راستے کی استقامت اختیار کرتا کہ یہ (نعمت) تجھے بھی حاصل ہوجائے۔

(ہم بھی کوشش کر رہے ہیں اور دیگر لوگ بھی کوشش میں ہیں، دیکھیے دوست کا انداز کس کو نصیب ہوتا ہے۔ ہم ہیں اور عشق کی چوکھٹ اور عاجزی کا سر ہے، دیکھیے میٹھی نیند کس کو دوست کے پہلو میں پہنچاتی ہے)۔

دین دار شخص ہمیشہ دین کے کام میں مشغول رہتا ہے اور زبان کو (فضول) گفت وشنید سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ شخص پانی سے بھرے ہوئے گھڑے کی طرح ہوتا ہے کہ اسے آواز نہیں آتی ماسوائے ضرورت کے وقت کے اور بے قوف شخص خشخاش کے چھلکے کی طرح خالی ہے کہ قیل وقال میں مصروف رہتا ہے اور نیز (عمدہ) میں ہے خواجہ حسن بصری طاب مرقدہ فرماتے ہیں:

''سحر کا وقت بارگاہ پروردگار کی عزت شاہی کا وقت ہے اور اس کی رحمت ومغفرت کا وقت ہے اور سحر کے وقت کی فضیلت کے بارے میں نصوص ودلائل وارد ہیں''۔

قولہ تعالیٰ

''ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک'' حکم ہے، ''وبالاسحار ھم یستغفرون'' شکر بجالانا ہے، ''وللمستغفرین بالاسحار'' ذکر ہے۔

اور حدیث پاک میں حضرت بشر سے مروی ہے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''تین آوازیں خدا تعالیٰ کو محبوب ہیں:

1: مرغے کی آواز

2: قاریٔ قرآن کی آواز

3: سحر کے وقت استغفار کرنے والے کی آواز

اور انہی نبی محترم علیہ السلام سے روایت ہے جو سحر کے وقت قیام کرے پھر ربّ تعالیٰ سے دعا مانگے تو اس کی دعا مقبول ہوگی۔

اس کی مثل احادیث صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ سحر گاہی کے وقت اپنی رحمت سے بارشوں کے قطرات عطا فرماتا ہے جو سحری کے وقت ذکر نے والوں اور استغفار کرنے والوں کے لیے زینت بنتے ہیں۔

جب سحری کے وقت کا آغاز ہوتا ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے:

''اے غافل تم اپنے بستروں پر سو رہے ہو
جس طرح مردے قبروں میں سو رہے ہیں''۔

دوسری حدیث میں ہے حضرت سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا: جب سحر کا وقت ہوتا ہے، ستر ہزار فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ ہر ایک نور کا طبق لے کر دنیا میں اترے، اس وقت جو بیدار ہیں ان کے سروں پر بہادے، فرشتے حکم الٰہی کے مطابق نُور کے طبق ہاتھ میں پکڑ لاتے ہیں اور سحر کے وقت جاگنے والوں کے سروں پر بہا دیتے ہیں، نور کے بہت سے طبق باقی رہ جاتے ہیں۔

فرشتے پھر حضرت بے نیاز (جل جلالہٗ) کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خداوند عز وجل حکم ہوا تھا کہ نُور کے تھال سحر کے وقت جاگنے والوں کے سروں پر بہائیں، سحر کے وقت جاگنے والے تھوڑے ہیں اور نُور کے بہت سے تھال ہاتھوں میں بچ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فرمان ہوتا ہے کہ سوئے ہوئے ایمان داروں کے سروں پر نُور کے تھال بہادیں، مَیں نے سحر کے وقت جاگنے والوں کی وجہ سے امت محمد ﷺ کے سوئے ہوؤں کو بھی بخش دیا کہ کنجوسی ہماری شان نہیں ہے۔

اسی طرح قیامت کے دن مومنین کی برکت سے مشرکین کے عذاب میں تخفیف کروں گا، فاسقوں کے تمام گناہ فرمانبرداروں کی وجہ سے معاف کر دوں گا، میری رحمت بخشش کے لیے بہانے تلاش کرتی ہے۔

کرم کی اس خوشخبری کو امام المتقین امام زاہد نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔

سترہواں خط

آپ کا فرزند (قلبی) ہونا قائم رہے! سلف صالحین کی نصیحت ہے کہ

''اے بیٹے خوش طبع اور اخلاق کا منبع بن جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے زیادہ قریب بیٹھنے والا وہ شخص ہوگا تم میں سے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں اور بے شک تم میں سے مجھے زیادہ ناپسند اور مجھ سے زیادہ دور بیٹھنے والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق زیادہ برے ہیں۔

اے بیٹے:

حضرت رسالت پناہ ﷺ کی پیروی میں کشادہ ابرو اور ہنس مکھ اور تازگی رکھنے والے ہوجاؤ کیونکہ اسرار العارفین میں خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ اگر کسی درویش کو دیکھو کہ اس کے چہرے پر بل آئے ہوئے ہیں تو سمجھو یہ ابرار کے گروہ سے محروم ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک ہو سکے برے چہرے کی طرف نہ دیکھو کیونکہ اس سے وحشت وبے چارگی پیدا ہوتی ہے۔

سرکار دوعالم وعالمیان ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن میزان میں زیادہ وزن دار چیز اچھے اخلاق ہوں گے''۔

جب حضرت رسالت پناہ ﷺ کے پاس کوئی سائل نہ آتا تو آپ ﷺ فرماتے ہمارے پاس کوئی گناہ صاف کرنے والا نہیں آیا ''یعنی سائل''۔

(یہ ارشاد مبارک تعلیم امت کے لیے ہے)

حکایت

احیاء العلوم میں ہے کہ ایک مرتبہ مولا علی علیہ السلام امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: تم میں سردار کون ہے؟ توانہوں نے جواب دیا جو ہماری گالی برداشت کرے اور ہمارے سائل کو عطا کرے اور ہمارے جاہل کا احترام کرے اور ہماری جفا پر صبر کرے تو وہ ہمارا سردار ہے۔

اور حضرت حاتم انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مروت انصاف دینے اور اپنے سے مومنوں کو بہتر سمجھنے کا نام ہے۔ اور مروت کے معنیٰ اچھی زندگی بسر کرنا ہے، تُو جان کہ مروت کی دو قسمیں ہیں:

نمبر 1: مروت حضر میں (سکونت میں)

نمبر 2: مروت سفر میں

مروت حضر میں (سکونت میں) یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھی زندگی گزارے

اور مروت سفر میں یہ ہے کہ اپنا زادِراہ ہم سفر ساتھیوں پر خرچ کرے۔

اورعوارف المعارف میں ہے:
مروت میں وہ شخص کامل ہے جس میں یہ تین عادتیں پائی جائیں:
(۱)لوگوں کی چیزوں سے امید نہ رکھے
(۲)اور تکلیف دہ بات کو برداشت کرے
(۳)اور جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے۔
اے بیٹے ہر حالت میں تقویٰ اختیار کرو کہ یہ اولیا اللہ کی صفت ہے اور اگر آپ سے کوئی سوال کرے کہ تقویٰ کیا چیز ہے تو اس کو جواب دو حرام سے بچنا تقویٰ ہے۔
اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''تقویٰ یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔
لیکن امام بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقویٰ یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے اپنے مومن بھائی کے لیے اسے زیادہ پسند کرے''۔
اور مرصاد العباد میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک دن میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید چاروں کتابوں کا مطالعہ کیا اور ہر ایک کتاب سے ایک ایک کلمہ منتخب کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، تورات سے میں نے یہ کلمہ منتخب کیا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر قائم رہو تا کہ بخشش کے لائق بن جاؤ
اور انجیل سے یہ لیا کہ زبان کو ہمیشہ چرب وشیریں چیز کھانے سے محفوظ رکھو تا کہ دوزخ کے قید خانے میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔
اور زبور سے یہ کلمہ لیا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہو تا کہ ہمیشہ دونوں جہاں میں آرام سے رہو،
اور قرآن مجید سے یہ کلمہ لیا کہ غصہ پینے اور عاجزوں کی مدد کرنے کی عادت بناؤ تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔
جو مومن ان چار باتوں پر عمل کرتا ہے وہ گویا کہ ان چار کتابوں پر عمل کر رہا ہے۔
اس تمام گفتگو کا مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ عمل میں لگے رہو، چاہیے کہ فرزند اچھے عمل میں رہے، اس وجہ سے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔
نبی پاک نے فرمایا:
''دنیا آخرت کی کھیتی ہے جیسی بوؤ گے ویسی کاٹو گے''۔
جتنا ممکن ہو یقین اور راہ راست پر رہتے ہوئے نیک عمل اختیار کرو دنیا کی زندگی یادگار ہے اور عین المعانی میں ہے حلال کا نوالہ غضب اور غصے کو بجھا دیتا ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد حلال کھانا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:
اے لوگو! زمین سے حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ۔
مومن پاک طریقے، حلال ذرائع سے کھانے کی کوشش میں رہے کہ اللہ کا حکم دین دار لوگوں کے لیے ہے۔

اٹھارہواں خط

آپ کا فرزند قلبی ہونا قائم رہے! ہمیشہ اپنے نفس کو نصیحت کرنی چاہیے تا کہ ہر دو جہاں کی سعادت پائے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کرے تا کہ دائمی نیک بختی اور عزت پائے۔
جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''جس نے میری سنت کی مخالفت کی تو اللہ نے جو مجھ پر نازل فرمایا اس کا وہ منکر ہوا''۔
اور حدیث پاک میں ہے:''قیامت کے دن (ہم قیامت کے دن پر ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی) آٹھ طرح کے لوگ خدا عز وجل کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، ان کو موت کے وقت سے جنت میں داخل ہونے تک کچھ مشقت وتکلیف نہ ہوگی:
- پہلا شخص عادل بادشاہ اور مہربان امیر اور عاجزوں وفقیروں کی مدد کرنے والا
- دوسرا وہ مومن جو جوانی کے زمانے سے بڑھاپے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا
- تیسرا وہ مومن جس کے دل و جان نماز ادا کرنے اور نیکی وخیرات کرنے اور مومنین کی حاجت پوری کرنے میں لٹک رہے رہیں
- چوتھا وہ شخص کہ جس نے نیکی کرنے کی اپنے اندر عادت پیدا کر لی
- پانچواں وہ مومن جو خوف خدا کی وجہ سے حرام کام سے بچا اور حرام کی روزی کھانے سے پرہیز کیا
- چھٹا وہ شخص کہ جس نے حلال مال سے صدقہ دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی
- ساتواں وہ مومن جس نے خلوت اور تنہائی میں باری تعالیٰ کی طاعت وعبادت کی اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی
- آٹھواں وہ شخص کہ جس نے خود کو دیگر ایمان داروں سے کمتر جانا اور یہ ابرار کا درجہ ہے

اور عوارف المعارف میں ہے:
''زاہد وعابد لوگ کھانے و پینے اور دیگر کاموں میں علیحدگی طلب کرتے ہیں کیونکہ اجتماع میں کئی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا تنہائی میں سلامتی ہے۔ خصوصاً اس آخری دور میں سالک کو تنہائی اور وحدت درکار ہے اور سالک خلوت میں یہ نیت کرے کہ نفس امارہ کو قیدی بنائے گا تا کہ کسی مومن کو نقصان نہ پہنچائے نہ کہ یہ نیت کرے کہ کوئی اسے نقصان نہ پہنچائے اور اے فرزند تجھ پر لازم ہے کہ ہمیشہ بادشاہوں اور مالداروں کی صحبت سے پرہیز کرو تا کہ خدا کی راہ پر چلنے والوں کا مقصد پا جاؤ''۔
جس طرح کہ عین المعانی میں مذکور ہے:
''سالک کی نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا داروں اور بادشاہوں سے پرہیز کرتا ہے، اس لیے کہ درویش کا کمال اس عادت کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے''۔
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:''فقیر کے لیے بادشاہوں اور مالداروں کی صحبت جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور پھر سرکش جنوں اور شیاطین کا ٹھکانہ بن جاتا ہے'' اور جب کسی ایماندار کا دل مر جاتا ہے (اس سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) تب وہ شیطان کا ٹھکانہ بن جاتا ہے اور اس سے نیکی ظہور پذیر نہیں ہوتی''۔
اے بیٹے! چاہیے کہ پروردگار کی طلب میں مردان راہ حق کی طرح جو رات دن پروردگار کے دیدار کی خواہش میں لگے ہیں، سچائی کے ساتھ ان کو تلاش کرنے والا بن جا کہ دنیا اور اس کے اسباب کو تلاش کرنا آسان اور حقیر چیز ہے۔
چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے دنیا ٹوٹی ہوئی ٹھیکری (مٹی کے ٹوٹے برتن) کی طرح ہے اور عقبیٰ خالص سونے کی طرح ہے۔ عقل مند وہ ہے جو عظیم شے (بہترین چیز) کی طلب میں کوشش کرتا ہے نہ کہ گھٹیا چیز کی تلاش میں کوشش کرتا ہے۔
اور آج لوگ ہمت و طاقت ہو یا نہ ہو دنیا کے مردار کی طلب میں پڑے ہوئے ہیں اور آخرت کی تیاری سے غافل ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ
ترجمہ قطعہ:
''لوگ آخرت سے غافل ہیں سب لوگ
گویا کہ (دنیا میں) سوئے ہوئے ہیں، جس

غفلت کا ارتکاب کر کے وہ نقصان اٹھا رہے ہیں، جس وقت وہ مریں گے اس وقت اس غفلت کے نقصان کا انہیں پتہ چلے گا''۔

حکایت

ایک دن اس فقیر کے ساتھ بہت سے معتقدین خانہ کعبہ شرفہا اللہ تعالیٰ سے لے کر والد گرامی کے آستانے تک جو ساتھ رہے۔ (والد گرامی کے آستانے پر) کچھ وقت ہم کھڑے رہے (وہاں) اس فقیر کے سینے سے سرد آہ نکلی تو میں معتقدین کی طرف متوجہ ہوا میں نے کہا: تم نے اس سرد آہ کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھا! تو انہوں نے عرض کی ارشاد فرمائیں،

تو میں نے کہا: ''آج تک کسی شخص نے مجھ سے یہ التماس نہیں کی کہ دینی امور کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ہماری درخواست کریں، میں اس سے عاجز ہو گیا ہوں کہ ہمیشہ لوگ مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سلاطین و بادشاہوں کی طرف خطوط لکھوں تا کہ ہمیں وہ کچھ دنیا کا متاع دے دیں اس وجہ سے میں نے سرد آہ نکالی ہے کہ شریعت میں تو یہ آیا ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے تھوڑا ہے لہٰذا اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طلب میں رہو۔

(زندگی گزر گئی تیرے راہ وصل میں دوڑ رہا ہوں اور صبح کی ٹھنڈی ہوا کی خوشبو سے تجھے تلاش کر رہا ہوں اور جس وقت تیرا نام پاک زبان پر لاتا ہوں اپنے منہ کو دو آنکھوں کے آنسوؤں سے دھولیتا ہوں)۔

لہنگا
ساڑھی
بوتیک ورائٹی
اقرأ لہنگا سنٹر
فراک
میکسی
فینسی ورائٹی
پروپرائیٹرز
ایم فرخ شہزاد 0322-4801580
ایم حسن شاہد 0322-4382763
دکان نمبر 144-B مین بازار چونگی امر سدھو، لاہور

Al Hamd Acadmy Of Science and Arts
Principal
Sir Ali Adnan
0324-4024242
Boys and Girls Separate Classes
9th & 10th Classes
FSC,ICS,ICOM,FA IT,FA
Near Universal Girls School Main Bazar # 2 Chungi Amer Sidhu Lahore

زبیر کنسٹرکشنز ، سول ورک کنٹریکٹر، لاہور 0321-3466744